جلد ۹ — ستمبر ۱۹۰۵ء — نمبر ۶

ایڈیٹر

شیخ عبد القادر بی اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک مجموعہ

مضامین نثر

ویدک لٹریچر — شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی ایم اے — ۱
مرحوم شاہ اودھ کے خطوط ۔۔۔۔۔۔ ۷
نئی دہلی کی ایک تعمیر — خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی — ۱۰
مخزن سبھا — چوہدری خوشی محمد صاحب ناظر بی اے — ۱۵
بابل کی تقریر — پیرزادہ بشیر احمد از لندن — ۲۱
خط بنام محبانِ وطن — ایک ہندی از برما — ۲۳
شہر خموشاں — منشی صادق علی خاں صاحب از کشمیر — ۲۸
راجپوتانہ کے سکوں کی سبھا — رپورٹر مخزن — ۴۱

مضامین نظم

نجم اور شمع — شیخ محمد اقبال ایم اے
پدمنی کی چتا — منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی — ۵۰
آم کھانے سے دانت گر گئے — سید علی احسن صاحب احسن مارہروی ایڈیٹر فصیح الملک
نیرنگ ہستی — ابو الفرح قاضی حمید الدین
حسن — عبد المتین صاحب متین — ۵۷
حب وطن — محمد حسن اختر لودیانوی — ۵۹
تازہ غزلیں — آغا شاعر دہلوی قزلباش — ۶۳
محمد سیف الحق ادیب دہلوی
نور الدین عنبر از سری نگر
بجہانگیر

نو کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے — □ ان شہروں میں اردو مروج ہے — ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے —

شیخ محمد اکرام اسسٹنٹ ایڈیٹر نے
خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا
قیمت سالانہ محصول ڈاک قسم اول ... روپے فی پرچہ ...

لاکھ بیماریوں کی ایک دوا (عه)

یہ دوائی مفصلہ ذیل بیماریوں کا شرطیہ علاج ہے (۱) گنٹھیا (۲) ہیضہ (۳) دست (۴) پیچش (۵) کھانسی

(۶) زکام (۷) جگہ کی بیماریاں (۸) قولنج (یا دسول) (۹) دمہ (۱۰) وجع العصب (۱۱) سُرخ باد (۱۲) دائمی بدہضمی

(۱۳) سردی (۱۴) سوزش حلق (۱۵) نزلہ (۱۶) خسرہ (۱۷) درد دندان (۱۸) تشنج (۱۹) درد سر (۲۰) زخم

(۲۱) موچ (۲۲) بخار (۲۳) جل جانا (۲۴) گلے کی بیماری (۲۵) موسمی دانے یا پھنسیاں (۲۶) گرانی شکم

(۲۷) پُشت کا درد (۲۸) موسمی بخار (۲۹) باری کا بخار (۳۰) کالی کھانسی (۳۱) درد کمر (۳۲) نقرس (۳۳)

چوتھیہ بخار (۳۴) بچھو (۳۵) بھیڑ (۳۶) شہد کی مکھی (۳۷) کن کھجور (۳۸) سانپ اور سب قسم کے زہریلے کیڑوں

اور جانوروں کے ڈنگ اور زخم (۳۹) سوزش دل (۴۰) چوٹ چپیٹ (۴۱) پسلی کا درد (۴۲) اندرونی درد

(۴۳) درد معدہ (۴۴) بلبیریل فیور (۴۵) پیٹ درد وغیرہ۔

یہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرح پر استعمال کی جاتی ہے۔ جو شخص اس عجیب و غریب دوائی کو ہر قسم کے درد یا بیماری میں استعمال کرنے کے لئے ہمیشہ گھر میں موجود رکھتا ہے۔ وہ سیکڑوں روپے بچا لیتا ہے۔ جو اس کو دوسری حالت میں ڈاکٹر یا حکیم کے نذر کرنے پڑیں۔ قیمت (عه)

علاج درد

یہ دوائی ہر قسم کے درد کو خواہ سر میں ہو۔ دانت میں ہو۔ یا جسم کے کسی اور حصہ میں ہو صرف بیرونی طور پر لگانے سے فوراً رفع کرتی ہے۔ یہ ایسی موثر دوائی ہے کہ جو درد اس دوائی کے لگانے سے رفع نہ ہوگا۔ اس درد کو دنیا کی کوئی دوائی بیرونی طور پر لگانے سے اچھا نہ کر سکیگی۔ درد خواہ کتنی مدت کا کیوں نہ ہو۔ اچھا ہو جائیگا۔ قیمت (عه)

المشتہر:- مدن گوپال کمپنی لاہور

مخزن

ویدک لٹریچر

جناب شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی - ایم - اے - بی - ایل مترجم "تمدنِ عرب" کا نام نامی محتاج تعریف نہیں ہے۔ جن چند ناموں پر ہمارا غریب مُلک فخر کر سکتا ہے۔ اُن میں باعتبارِ علم وفضل آپ کسی سے کم نہیں - مگر ایک خصوصیت جو آپ کو حاصل ہے - وُہ شاید ہی کسی کو حاصل ہو۔ اور وُہ یہ کہ آپ صرف ہفت زبان نہیں - بلکہ قریب دو ہفت (یعنے چودہ) زبانوں کے جانتے ہیں۔ سنسکرت سے آپ کو ایسا ہی گہرا تعلق ہے - جیسا کہ عربی سے - مغربی زبانوں میں انگریزی کے علاوہ جرمنی - فرانسیسی اور لاطینی سے خوب واقف ہیں - ہماری استدعا پر اُنہوں نے علومِ سنسکرت کے ذخیروں سے زبانِ اُردو کو مستفید کرنے کا عزم فرمایا ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جس کی طرف اُن کی توجہ ہونا ہماری خوش قسمتی ہے - کیونکہ ان سے بہتر ہندوستان بھر میں کوئی اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ ممکن ہے کہ سنسکرت میں اُن سے عالم تر اصحاب ہوں - لیکن وُہ اُردو میں اتنی قدرت نہیں رکھتے - اور ممکن ہے، چند اُردو لکھنے والے اُن سے زیادہ مشّاق ہوں - مگر وُہ یا سنسکرت بالکل نہیں جانتے یا اتنی نہیں جانتے - پس ہم اُن کی توجہ کے نہایت ممنون ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس عزم کو پُورا کر سکینگے -

ذیل کا تمہیدی مضمون اُن کا پہلا خطبہ ہے - اور اصل مضمون اکتوبر میں شروع ہوگا :-

ہندوؤں میں اوّل درجے کی کتاب آسمانی وید ہے۔ جدید سے جدید تحقیقاتِ اہلِ یورپ کے رُو سے یہ امر ثابت ہے کہ سب سے پُرانا وید جس کو رِگ وید کہتے ہیں۔ اقلاً تین ہزار سے چار ہزار سال قبلِ مسیح میں مدوّن ہوا۔ مدوّن ہونے سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ وُہ تحریر میں آیا۔ اِس لئے کہ ہندوستان میں تحریر کے جاری ہونے کا زمانہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور اسکی نسبت محققین کا اتفاق نہیں ہے۔ لیکن تدوین سے مراد یہ ہے۔ کہ وید کے الفاظ بجنسہٖ جس حالت میں آج ہم تک پہنچے ہیں۔ اُس حالت میں وُہ تین ہزار سال قبلِ مسیح موجود تھے اور اُس وقت سے اِس وقت تک اُن میں کسی قسم کا بیّن تغیّر نہیں ہوا ہے۔ اُس زمانے میں جو طریقہ تعلیم تھا۔ اُس سے غرض یہ تھی کہ علم سینہ بسینہ اُستاد سے شاگرد کو پہنچے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ صرف ایک ہی طبقے کے اشخاص یعنے برہمنوں میں محدود رہے۔ برہمنوں کے بچّوں کا یہ فرض تھا۔ کہ بعد سنِ شعور کے وُہ اپنی عمر کے بارہ سال تحصیلِ علم میں یعنے وید کے سیکھنے میں اور اُسکو زبانی یاد کرنے میں صرف کریں۔ اِس کے بعد زمانہ تاہل ہوتا تھا۔ جس میں وہ دُنیاوی کاروبار میں مصروف ہوتے تھے۔ اور جس سے بہت بڑی غرض یہ بھی تھی۔ کہ وُہ کسی بیٹے کے باپ ہوں۔ تاکہ بعدِ مرگ اُن کی نجات کی صُورت نکلے اور تیسرا حصّہ زندگانی کا عبادت اور مراقبے میں صرف ہوتا تھا۔ جب کہ وُہ آبادی کو چھوڑ کر بن باسی ہو جاتے تھے۔ اور محض عبادت اور تعلیم میں اپنے اوقات کو صرف کرتے تھے۔

اِس کتابِ آسمانی کے چار حصّے ہیں۔ اِن میں سب سے اوّل رِگ وید ہے۔ اور اِس میں صرف دُعائیں ہیں۔ اور مختلف دیوتاؤں کی تپشیا ہے۔ یہ دُعائیں نظم میں ہیں۔ اور انکی بحریں مخصوص ہیں۔ علاوہ اِس کے اِن دعاؤں کے پڑھنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ جس کو ہندوؤں کا علمِ تجوید کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ علم اس قدر مشکل ہے۔ کہ بلا اُستاد کے اُس کا حاصل کرنا محال ہے۔ رِگ وید میں بالمجموع ایک ہزار اٹھائیس دعائیں ہیں۔ اور ان کو رِگ وید کے

جمع کرنے والوں نے دس کتابوں پر تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک دُعا کے شروع میں اُس رشی کا نام جس سے وُہ منسوب ہو اور اس دیوتا کا نام جس کی شان میں ہو۔ اور اُس خاص بحر کا نام جس میں وُہ لکھی گئی ہو۔ درج کیا جاتا ہے۔ اور اِن چیزوں کا علم بجائے خود ایک شاخ وید کی تعلیم کی ہے۔ جس کو اصطلاح میں پراتیشاکھیا کہتے ہیں۔ رگ وید کی زبان بہت ہی قدیم سنسکرت ہے۔ اور فی الواقع اس کی صرف و نحو اور اس کی زبان کی صرف و نحو جس میں معمولی سنسکرت لٹریچر مثلاً نظمیں ناٹک قصّے۔ کہانی کی کتابیں۔ مہابھارت۔ پران وغیرہ لکھے گئے ہیں۔ بالکل علیحدہ ہے۔ ایک عجیب امر یہ بھی ہے کہ اِن دس کتابوں میں سے بعض کی زبان زیادہ قدیم معلوم ہوتی ہے۔ اور صرف و نحو۔ طرز بیان۔ ترکیبِ الفاظ۔ قدامتِ لغات۔ ان سب امُور کے لحاظ سے محققین کی اب رائے یہ ہے کہ سب سے پُرانا حصہ رگ وید کا وُہ ہے۔ جس کو ساتویں کتاب کہتے ہیں۔ اور دسویں کتاب سب سے جدید حصہ ہے۔

اگرچہ رگ وید کا بہت بڑا حصہ عبادت اور خُدا کی ستائش سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن بعض بھجن ایسے ہیں کہ جن سے تاریخی واقعات اور قدیم آریاؤں کی تمدنی حالت کا استنباط ہو سکتا ہے مثلاً ندیوں کا جو بھجن ہے۔ اُس سے آریہ لوگوں کا وسطِ ایشیا سے بہ تدریج پنجاب میں آنا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح دسویں کتاب کے بھجن نمبر نوّے میں جس کا نام پرش سوکت ہے چاروں ذاتوں کا یعنے برہمن۔ کھتری۔ ویش۔ شودر کا علیحدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح شادی اور موت کے متعلق بھجن ہیں۔ غرض جدید تحقیقات سے نتیجہ یہی پیدا ہوتا ہے۔ کہ رگ وید نہ صرف ہندوؤں کی بلکہ کل طبقہ آریہ کی۔ جس میں ایران اور یورپ کی بہت سے اقوام شامل ہیں سب سے قدیم کتاب ہے۔

رگ وید کی زبان کی نسبت ایک امر اور بھی نہایت تعجب انگیز ہے۔ یعنے یہ زبان اشد درجے میں ژند وستا کی زبان سے مشابہ ہے۔ یہ مشابہت اس درجے تک ہے۔ کہ محض چند

حروف کے تغیر اور تبدل سے رگ وید کے بعض بھجنوں کو ژند زبان میں اور ژند وستا کے بھجنوں کو قدیم سنسکرت میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اور اس وقت جرمنی کے مدارس میں جہاں وید کی تعلیم اعلیٰ درجے پر ہے۔ رگ وید اور ژند وستا کا سبق ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

رگ وید کے بعد قدامت کے لحاظ سے سام وید ہے۔ لیکن سام وید کے بھجن الفاظ کے لحاظ سے بالکل رگ وید کے بھجن ہیں۔ صرف ان کے پڑھنے میں ایک خاص لحن ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ رگ وید اور سام وید دونوں دُعائیہ ہیں۔ اور تیسرا وید جس کو یجُروید کہتے ہیں اعمال کا وید ہے۔ یعنی مختلف اوقات میں اور مختلف مواقع پر اور مختلف اغراض کے حاصل کرنے کے لئے جس قسم کے اعمال مفید اور بکار آمد ہیں۔ اُن کا بیان یجُروید میں ہے۔ یجُروید کے دو شاکھا ہیں۔ کرشن یجُروید اور شُکل۔ ان میں بہت کم فرق ہے۔ اور ان کی تقسیم ایک ہی طرح پر ہے۔ چوتھا وید اتھروَن ہے۔ وضع اور ترکیب میں اتھرون رگ وید سے ملتا ہوا ہے۔ لیکن زبان کے لحاظ سے سب سے جدید معلوم ہوتا ہے۔ اور اس میں زیادہ تر تعویذ اور گنڈے اور بھوت پریت کے دافع کرنے کی ترکیبیں اور جڑوں اور بُوٹیوں کے خواص مذکور ہیں۔ اور اس کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اس کا معتد بہ حصّہ آریاؤں کے ہندوستان میں آنے کے بعد اور یہاں کے پُرانے باشندوں سے میل جول کے بعد مدوّن ہوا ہے۔

ان چاروں ویدوں میں جو چیز مشترک ہے۔ وُہ یہ ہے کہ ان کے الفاظ تجوید سے پڑھے جاتے ہیں اور ہر ایک بول کا چڑھاؤ اور اُتار قدیم الایّام سے مقرر ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا تغیر کرنا گناہِ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض برہمنہ[1] میں بھی اعراب اور آواز کی قید لگائی گئی ہے۔ لیکن یہ امر شاذ ہے۔

ویدک لٹریچر کا دُوسرا حصّہ برہمنہ ہے اور چاروں ویدوں کے ساتھ کئی کئی برہمن

---

[1] ہندوؤں کی مقدّس کتابوں کی ایک دوسری شاخ ۱۲

منسوب ہیں - ان میں مختلف قسم کے اعمال اور عبادات کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور جابجا قدیم قصص اور حکایات اور واقعات بھی درج ہیں - مثلاً اتیریا برہمنہ میں جو رگ وید سے متعلق ہے - ہریش چندر کا قصہ ہے - اور اسی طرح شت پتھ برہمنہ میں جو شکل یجروید سے متعلق ہے طوفان کا واقعہ اور منو کا ذکر مندرج ہے - انہی برہمنہ کے ساتھ ساتھ ایک اور قسم کے عبادتی رسالے ہیں - جن کو آرن نیگ یعنے جنگل اور بیابان میں لکھے ہوئے رسالے کہتے ہیں - ان برہمنہ اور آرن نیگ کی زبان بھی قدیم ہے - مگر اتنی پرانی نہیں - جتنی خود ویدوں کی - ان کے بعد درجہ اپنشد کا ہے - جس کو ویدانت یعنے وید کا ضمیمہ بھی کہتے ہیں - اور ان میں ہندوؤں کا سارا فلسفہ بھرا ہوا ہے - جس طرح برہمن اور آرن نیگ مختلف ویدوں سے منسوب ہیں - اسی طرح خاص خاص اپنشد بھی خاص خاص ویدوں کے ضمیمے سمجھے جاتے ہیں - ان اپنشدوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے - لیکن ان میں سے مشہور اور زیادہ متداول دس اپنشد ہیں -

یہ ہے مختصر بیان اُن کتابوں کا جن پر بطورِ عام لفظ وید کا اطلاق ہے - انکو سنسکرت میں شرتی کہتے ہیں - یعنے وہ چیز جو آنکھوں سے نہیں پڑھی گئی - نہ قلم سے لکھی گئی - بلکہ کانوں سے سُنی گئی - یہ گویا آوازِ غیبی ہے - جس کو قدیم رشیوں نے سُنا اور اُن سے اُن کے شاگردوں نے سُنا - اور اس طرح ان کا علم سینہ بسینہ ہزارہا سال کی مدّت تک چلا آیا - اور بالآخر ہم تک پہنچا - ان کے مقابل میں ایک دوسرا بڑا ذخیرہ رسالوں کا ہے - جن کو سوتر یا اسمرتی کہتے ہیں - یعنے وہ چیز جو یاد کی جاتی ہے - یہ سوتر بھی مختلف ویدوں پر منقسم ہیں - ان میں ہر ایک قسم کے مسائل کو جن کا تعلق مذہب سے ہے - یعنے اعمال اور عبادت روزمرہ کی زندگانی کی کریا کرم - شادی بیاہ موت وغیرہ نہایت اختصار کے ساتھ - بلکہ کہنا چاہیئے کہ پہیلی اور چیستاں کی صورت میں لایا گیا ہے اور ان سے غرض یہ ہے - کہ یہ آسانی سے حفظ کر لئے جائیں اور

ضرورت کے وقت کام میں لائے جائیں۔ ان کے سوا بھی چند علوم اور ہیں جن کا تعلق وید سے سمجھا جاتا ہے اور ان کو وید انگ کہتے ہیں۔ یعنے وید کے ہاتھ پیر۔ ان میں صرف و نحو اور تجوید (سکھشا) اور عروض اور جوتش اور علمِ لغت ہے۔ یہ وہ علم ہیں جن کے بغیر وید کا تلفظ کرنا اور اس کے معانی کا سمجھانا ناممکن ہے۔ اور اسی وجہ سے اُن کو وید کے ہاتھ پیر کہتے ہیں۔

اس بیان سے معلوم ہوگا۔ کہ بہت بڑا حصہ ویدک لٹریچر کا وہ ہے جو خاص برہمنوں کے لئے ہے۔ اور بجز اُن کے یا اس قسم کے طالب علموں کے جو صرف زبان کی تحقیق یا تمدنِ انسانی کی تاریخ کی لحاظ سے ہر ایک قوم کے قدیم لٹریچر پر نظر ڈالتے ہیں۔ عام طور پر دلچسپ نہیں ہے۔ لیکن وہ حصہ وید کا جس کو اُپنشد کہتے ہیں۔ اور جس میں ہندو فلسفہ جس کی قدامت اور باریکی اور خوبی تمام عالم میں مشہور ہے درج ہے۔ اس کے ساتھ ہر تعلیم یافتہ شخص کو۔ وہ کسی قوم اور کسی مُلک کا کیوں نہ ہو۔ دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہمارا قصد ہے کہ وقتاً فوقتاً بعض اُپنشدوں کے ترجمے اس رسالے میں درج کریں۔ تاکہ ہندوؤں کے لٹریچر کی عظمت اور اُس کا عُمق عام طور پر ظاہر ہو جائے +

سیّد علی بلگرامی (از کیمبرج)

"حسن"

کاش! اے حُسن تو دُنیا میں نہ آیا ہوتا — دامِ تسخیر نہ عالم میں بچھایا ہوتا

رہ نہ سکتی تھی بن آئے جو تیرے دُنیا میں — بنکے ہنگامۂ محشر تو نہ آیا ہوتا

اور اگر آیا تھا ہنگامۂ محشر بنکر — تو نہ اِن خاک کے پتلوں میں سمایا ہوتا

تجھ کو ہونا تھا حسینوں سے جو ظالم ہاں تو — شیوۂ جور و ستم تو نہ سکھایا ہوتا

اور سکھائی بھی جو تھیں اِن کو جفا کی رسمیں — دلستانی کا طریقہ نہ بتایا ہوتا

نرم و نازک اگر اعضا تھے بنائے انکے — دِل حسینوں کا نہ پتھر کا بنایا ہوتا

کاش! کچھ دردِ محبت بھی انہیں تو دیتا — دل کے بدلے اثرِ نالۂ دلجو دیتا

مرحوم شاہِ اودھ کے خطوط

اپنے پیارے جوڑے کو حال دردِ دل پُر ملال لکھتا ہوں رنگِ ہجر و وصال لکھتا ہوں۔ اے بلقیس۔ اے رشکِ بر جیس۔ بڑی دیر سے ہم آئے ہیں۔ جھاڑ کنول تمہارے لئے بارہ دری سکندر باغ میں سجوائے ہیں۔ صاحب تم کہاں تھیں۔ نہ یہاں تھیں۔ نہ وہاں تھیں۔ خدا کے واسطے سچ بتاؤ۔ ذرا ہاتھ تو ادھر لاؤ۔ میرا دل دیکھنا کیسا دھڑکتا ہے۔ مثلِ طائرِ مذبوح پھڑکتا ہے لو پھر میں اب سوار ہو جاؤں۔ تمہارے واسطے بھی گاڑی جو کڑی تیار کروا منگواؤں۔ کوچوانوں کی آنکھوں پر پٹیاں بندھوا دوں۔ جوانانِ چمن پھر رہے ہیں کوئی قصہ پڑھ کر انہیں بھی کھسکا دوں۔ آبِ شبنم سے برگِ درختاں دھو جائیں۔ ملکہ عالمیان سلامت اب ہمارے تمہارے وصل کے موقعے ہو جائیں۔ حمام سکندر باغ تیار رہے۔ حکم دیجئے تو خزانے کا پانی حوض کی تہ میں بھی خزانہ بالا کھلوا دوں۔ آبشاروں کو اپنے حالِ زار پر رلوا دوں۔ قمریاں دلق خاکستر کریں بلبل شکوہ بے پری کریں۔ پتے کفِ افسوس ملیں۔ آتشِ گلزار و اخگر حسد سے باغبان جلیں۔ اے سروِ ریاضِ دوستی اے گلِ گلستانِ یکرنگی ہائے افسوس ہائے افسوس کیسے کیسے جلسے دن رات رہتے تھے۔ ہمارے تمہارے دشمن کبھی یوں رنجِ فراق و زندان کاہے کو سہتے تھے۔ چمن زندگی سے مالا مال تھے۔ درختانِ باغستان سر تا پا نہال تھے۔ آہ کس کی نظرِ بد لگ گئی۔ جو صیاد کو بلبلوں سے کد لگ گئی۔ شکوہ بیجا ہے۔ تقدیر کا لکھا ہے۔ نام ہی اس کا صیاد ہے اس کا اظہار باعثِ آہ و فریاد ہے۔ خزاں کی گرم لوؤں کی جھونکے لگ چکے۔ اب کچھ مطلب بھی سنانا چاہیئے۔ دل میں چوٹ لگتی ہے۔ اس مضمون سے قلم بھر آیا چاہیئے ...... اے میری جان اے زوجہ سلطان اسی کاتب وشاعر

خوش نویس وخوش فکر، خوش تقریر کے واسطے آگے بھی تحریر کرچکا ہوں۔ ان کی ملازمی اور
تنخواہ کی تدبیر کرچکا ہوں۔ رویائے صادقہ بھی تم نے انہیں سے لکھوایا تھا۔ ایک ایک
آنسوؤں سے اُسے پڑھوا کر رلایا تھا۔ مگر آج تک ہماری اس تحریر کا جواب نہیں آیا۔ ایک
لفظ بھی اُس تقریر کا جواب نہیں آیا۔ اب پھر بارِ دگر لکھتا ہوں کہ اُس کاتب خوش تقریر کا
نام لکھوا بھیجو۔ اور بحر متقارب مثمن مقصور الآخر میں بھی کچھ کلام لکھوا بھیجو۔ تو ہم اس کے
نام کو اپنے دفتر پر لکھ لیں۔ اور خطاب اس کا افہم عشق اختر لکھ لیں۔ ہمیں منظور ہے کہ جب
سے تم نے ماشاء اللہ ہوش سنبھالا ہو اور الی الآن جو جو سوانحات اور تعشق اور فرطِ تعشق
تم سے ہمارے واسطے صادر ہوا ہو۔ اُن سب واردات کو یہ شخص پانچ چھ ہزار شعر میں اور بحر
متقارب مثمن مقصور میں بہ قیدِ تسطیر لائے اور لطفِ تحریر راست رہنے سوائے مبالغہ
شاعری دکھلائے۔ اور ایک ایک دو دو جز بتدریج تمہارے محبت نامے کے ساتھ
بھیجتا چلا جائے تو اے روانِ من یہ فرمایش ہماری اور ان کا انصرام دور از محبت نہ ہوگا
جی تو چاہتا ہے کہ کتاب مثنوی ممتاز کہ یہ نام بھی اس کے واسطے زیبا اور لائق ہے۔
مجلّد اور محشّی اور مطلّا اور مذہب اور منقّر کرا کے ہمارے پاس بھجواؤ۔ جو صرف اس کا
ہوگا وہ متعلق ہم سے ہے۔ اور جو یوں نہ ہو سکے تو ایک ایک دو دو جز میرے پاس
روانہ کرتے جانا۔ میں یہاں حسبِ مرضی خود اس کی تیاری کروا لوں گا۔ اور چھپنے کی بھی تدبیر
کرونگا۔ دیکھو تمہیں خدا کی قسم میری اس فرمایش کو بھول نہ جانا۔ حسب الایما میرے عمل
میں لانا۔ کس واسطے کہ یہ شاعر نایاب ہے۔ دُرِ خوش آب ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تمہارے
عشق کا مزا اُس کی زبانی سنوں۔ وجد میں آ آ کر مزے اُٹھاؤں۔ سر دھنوں۔ کچھ
بات نہیں۔ کچھ ایسی بڑی کرامات نہیں۔ ہماری خوشی اس کا کام ہوگا۔ تمہارے حسن اور ہمارے
عشق کا تا قیامت نام ہوگا۔

(بقلم پُر الم جانعالم۔ ۴۔ ذیقعدہ ۱۲۷۵ھ)

.... حال اپنی مصیبت کا کیا لکھوں۔ کہ برابر لکھنے شرم آتی ہے۔ پس کہاں تو وہ سامان تھا جس کا ادنےٰ سا تم نے لکھا ہے اور کہاں ہم اب وُہی ہیں کہ خود اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرتے ہیں۔ گھڑیوں آدمیوں کو پکارا کرتے ہیں۔ خیر شکر ہے۔ بہر حال وُہ خالق ہے جو اس کی مرضی۔ کیا عجب ہی کہ پھر ہم ویسے ہو جائیں اور اب دن بھلے آئیں۔ اللہ رحم جلد کرے۔ کہ اب تابِ مصیبت باقی نہیں ہے ⁂

(از قلم ذوالفقار الدولہ۔ ۵ ذیحجہ ۱۲۷۵ھ)

ہمدردی ۔ ڈاکٹر سمائل صاحب لکھتے ہیں:۔ ہمدردی انسانی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔ ہمدرد لوگ مصیبت زدہ اور مظلوم لوگوں کی حاجات رفع کرنے اور انکی ضروریات بہم پہنچانے کے لئے جھٹ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں دستِ ظلم کی تعدی سے لوگ نالاں ہوں۔ یا جہالت کی تاریک گھٹا چھا رہی ہو۔ یا مُصیبت کا طُوفان بپا ہو۔ ہمدردی فی الفور ان اشخاص کی امداد کے لئے اپنا دستِ شفقت بڑھاتی ہے۔ کسی غمزدہ کی صُورت یا نالۂ آہ و بکا کی آوازِ اہلِ درد کی رگ جان کے لئے نشتر کا حکم رکھتی ہی جس کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ زمانہ حال کے بعض اہم واقعات ہمدردی کی بدولت ظہور میں آئے ہیں۔ یہ بہت کچھ ہمدردی کا ہی اثر ہے۔ کہ بعض نیک مرد اپنے بھائیوں کو مصیبت اور افلاس کے پنجہ سے چھوڑانے اور عوام الناس کی حالت سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور تہذیب کے خوشگوار نتائج دور دُور تک انسانوں میں پھیلانے اور بنی نوع انسان کے منتشر اور پراگندہ قبائل میں اخوت اور محبت کے رشتہ سے اتّحاد و اتّفاق پیدا کرنے کے ساعی ہیں۔ جس شخص کے ساتھ قدرت نے اپنے انعام کی تقسیم میں دُوسروں کے مقابلہ میں خاص مہربانی کا سلوک کیا ہو۔ جس کو دولت۔ علم اور تمدنی رسُوخ جیسے فوائد حاصل ہوں۔ جو اوروں کو نصیب نہیں۔ ایسے آدمی کا فرض ہونا چاہئے۔ کہ اپنے وقت اور زر کا کم از کم خاص حصّہ عوام کی بہبُودی اور ترقی کے لئے وقف کردے ⁂

(فتح الدین از بہاولپور)

نئی دہلی کی ایک تعمیر

وکٹوریہ زنانہ ہوسپٹل

دہلی کے رہنے والوں میں وہ لوگ جنہوں نے اس کی پُرانی رونق اور اس کے گذشتہ چہل پہل کی جھلک بھی دیکھی ہے۔ اُن کے دلوں کی عجب حالت ہے۔ وطن کی محبت کے سبب اب نئی دہلی میں ذراسی رونق بڑھتی دیکھتے ہیں۔ تو خوش ہوتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی پُرانا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ اس لئے ہر نئی عمارت۔ ہر نئی تقریب۔ ہر نیا جلسہ ان کے لئے یہ دو رنگی رکھتا ہے۔ ہمارے کرمفرما جناب شمس العلما مولوی محمد ذکاءاللہ صاحب جن کی تصانیف۔ تالیفات اور تراجم مشہور اور متداول ہیں اور جنہوں نے اُردو کے سرمایۂ علمی کے بڑھانے میں مدتِ عمر صرف کی ہے۔ دہلی کے اُن مغتنم بزرگواروں میں ہیں۔ جنہوں نے دونو رنگ دیکھے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے مخزن کے لئے ایک شفاخانہ کی تعمیر کا حال لکھا ہے۔ ملکہ وکٹوریا کی نیک اور مفید زندگی کی مفید یادگار ہوگا۔ اور اس کا بیان کرتے ہوئے وُہ بے اختیار گذشتہ دہلی کے نظاروں کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ جس سے مضمون میں ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

حضرت عُلیا ملکہ معظمہ خلد مکانی کی یادگار بنانے کے لئے دہلی والوں نے ڈیڑھ لاکھ روپئے چندے میں دیئے تھے اور یہ تجویز کی تھی کہ اس روپے سے زنانہ ہوسپٹل بنایا جائے۔ جس میں ہندوستانی عورتوں کو دائہ گری کا کام سکھایا جائے اور پردہ نشین عورتوں کا علاج اس طرح کیا جائے کہ وُہ پردہ کے اندر اچھی طرح رہیں۔ اس کا نام وکٹوریا زنانہ ہوسپٹل رکھا جائے۔ اِس چندے کی فراہمی

کا اہتمام جناب فیض مآب جناب ڈگلس صاحب سی۔ ای۔ آئی ڈپٹی کمشنر سابق دہلی اور حال شملہ اور انکی مسز کی سعی وجد وجہد سے ہوا تھا۔ صاحب بہادر نے اپنے عہد ڈپٹی کمشنری میں اس شہر کو بڑی رونق دی تھی اُنہوں نے دہلی میں برقی روشنی کر کے بعض بازاروں میں رات کو دن بنا دیا اور جسمانی آنکھوں کی روشنی کو بڑھا دیا۔ اور دہلی پبلک لائبریری اور ریڈنگ روم بنا کے جہالت کی تاریکی کو دُور کر کے دِل کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ غرض روحانی وجسمانی روشنی دہلی میں اُنہوں نے کر دی۔ اس شہر میں اس وسیع عمارت کے بنانے کے لئے کسی وسیع قطع زمین کا ملنا دشوار تھا۔ زمین ایسی گراں قیمت تھی اگر وُہ خریدی جاتی تو یہ سارا روپیہ اسی کے نیگ لگتا کچھ نہ بچتا جو اَور کام کیا جاتا۔ اس لئے جناب ڈپٹی کمشنر صاحب نے یہ تجویز کی کہ جامع مسجد کے پہلو میں جو دو قطعہ زمین اُفتادہ پڑا ہے اس میں یہ اسپتال تعمیر ہو۔ اس سے پہلے شاہجہانی دار البقا جامع مسجد کے ساتھ ہی تھی اس میں طلبہ کی درس تدریس ہوتی تھی اور اس کے سامنے شاہجہانی دار الشفا بھی ناف شہر میں تھی۔ غدر کے بعد یہ عمارتیں اِس لئے مسمار کی گئی تھیں کہ جامع مسجد کے گرد وسیع میدان ہو بڑی عمارتوں کی خوبصورتی جب تک نمایاں نہیں ہوتی کہ اس کے گرد میدان نہ ہو۔ اس قطعہ میں اس عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور تھوڑے دنوں میں پانچ سات ہزار روپیہ اس میں صرف ہوئے۔ پھر اس زمین کے موقع پر ایسے اعتراضات ہونے شروع ہوئے کہ وُہ بجائے تعمیر ہونے کے مسمار ہونی شروع ہوئی۔ اور جیسا میدان پہلے تھا ویسا ہو گیا۔ اب اس میں گدڑی لگتی ہے شام کو اس میں رونق ہوتی ہے۔ اب پھر اس اسپتال کے لئے نئی زمین کی تلاش ہوئی۔ شہر میں کہیں اس کے لئے کوئی زمین نہیں ملی تو یہ تجویز ہوئی کہ یہ اسپتال اس میدان کے ایک حصے میں بنایا جائے جو قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان مکانات مسمار کر کے بنایا گیا ہے اور اب وُہ پریڈ کا میدان کہلاتا ہے۔ گورنر جنرل کی سفارش سے کمانڈر انچیف نے اس میدان میں سے اِس حصے میں اسپتال بننے کی اجازت دی جو قلعہ

کے محاذات سے بچا ہوا تھا وہ ایسا تنگ تھا کہ اسپتال کے لیے کافی نہ تھا۔ اس کے بڑھانے کے لیے ہمسایہ کے مکانات اور افتادہ زمینیں خریدی گئیں۔ اور سال گذشتہ میں جناب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی لیڈی صاحبہ نے اپنے دست مبارک سے اسکی بنیاد کا پتھر رکھا اب اس کے بننے کی تیاری ہو رہی ہے۔ یہ عمارت دو شاہجہانی عظیم الشان عمارتوں کے درمیان تعمیر ہوئی جن میں سے ایک جامع مسجد ہے جو اسلامی دنیا کی تمام مساجد میں اپنی حسانت میں سبقت لیگئی ہی اس کے کل حصوں میں وہ تناسب ہو کہ دنیا میں کسی اور مسجد کے اندر نظر نہیں آیا۔ یہ عمارت ایک عبادت خانہ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ اس میں پانچوں وقت کی نماز پڑھا کریں۔ قاعدہ ہے کہ معابد کی عمارات کی خوشنمائی اس کے پجاریوں کو اپنی طرف خود بخود لے جاتی ہے۔ اور مذہبوں میں عبادت کی طرف رغبت کرنے کے لئے عبادت خانوں میں ارگی ٹیکچر و موسیقی و بت تراشی داخل کی گئی تھی مگر مسلمانوں نے سوائے عمارت کے خوبصورت بنانے کے اور چیزوں کو داخل نہیں کیا۔ انکی جگہ اپنی ذہانت کو صرف عمارت کی حسانت میں خرچ کیا۔ مسجدیں بڑی خوبصورت بنائیں چنانچہ اسی دلی کی جامع مسجد کی حسانت نے ہزاروں آدمیوں کو نمازی بنا رکھا ہے کہ پانچ وقت میں ایک وقت کی نماز بھی قضا نہیں کرتے۔ الوداع کی نماز میں وہ دور دور سے اتنے مسلمانوں کو کثرت سے بلاتی ہے کہ اس کے اندر وہ نہیں سماتے اسکے باہر گرد نماز پڑھتے ہیں۔ اگر دلی میں یہ جامع مسجد نہ ہوتی تو اور شہروں کی نسبت اس شہر میں نمازی بھی زیادہ نہ ہوتے۔ اس کے نمونے کو دیکھ کر اور بڑی بڑی مسجدیں اکبر آبادی اور زینت المساجد اور فتح پوری کی مسجد بنائی گئی ہیں۔ جس کے سبب سے مسلمانوں میں نماز کی پابندی زیادہ ہو گئی ہے۔ دوسری عمارت شاہجہانی قلعہ معلےٰ ہے گو اس میں شاہجہان نے وہ حصانت اور استوائی نہیں رکھی تھی جو قلعہ میں ہونی چاہیے۔ اس لئے اسکو لال حویلی کہتے تھے مگر اس کے اندر وہ نفیس و لطیف عمارات بنائی تھیں جن کا جواب نہ صرف

دُنیا میں نہ تھا۔ دیوان خاص۔ دیوان عام۔ عقب حمام۔ مثمن بُرج۔ اور بڑے بڑے محل ایسے ہیں کہ اُن پر جو یہ شعر لکھا گیا ہے اس کے وُہ مصداق ہیں ؎ اگر فردوس بر رُوئے زمین است۔ ہمیں است وہمیں است وہمیں است۔ غدر کے بعد یہ لال حویلی قلعہ ہوگیا ہے اس کا حصار استوار کیا گیا ہے۔ اس کی زمینوں میں سے تو ہیں ایسی اپنی آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے روبرو کوئی دشمن کھڑا ہے جس کے اُوپر وُہ دھوال دھوں چھوٹنے والی ہیں۔ غرض جب اِن دونوں عالیشان عمارتوں کے درمیان یہ اسپتال بنجائیگا تو یہ معلوم ہوگا کہ خوبصورت ماباپوں کی گود میں ایک پیاری صورت کا خوش منظر بچّہ بیٹھا ہے جو نہ اپنی ماں کی طرح مسلمانوں کی عبادت سے مخصوص ہو۔ نہ باپ کی طرح ہر روز جان ستانی کی ترکیبوں کے سکھانے کا معلّم ہے بلکہ وُہ علی العموم ان ماؤں کے حق میں مسیحائی کرتا ہے جو بچّے کے دکھ درد میں مبتلا ہیں۔ وُہ اپنی فیض رسانی سب ہندو مسلمانوں عیسائیوں کے ساتھ یکساں کریگا۔ یہ فقط خجستہ آیات مریم صفات ملکہ معظمہ کی پاک نفسی کی برکت و میمنت ہو کہ اس شہر میں عورتوں کے دکھ درد کے لئے مسیحائی کیجائیگی جب میں اس میدان میں اس فیض رساں عمارت بننے کا خیال کرتا ہوں اور غدر سے پہلے کی باتیں یاد کرتا ہوں کہ کیا اس میں ہوئی پھر تو ایک عالم حیرت طاری ہوتا ہے۔ اِس میدان میں خاص بازار تھا جو اس لئے بنا تھا کہ بادشاہ جب قلعہ سے مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تو اس بازار میں سے جاتے۔ اس میں بادشاہ کی سواری خستہ حال تو میں نے بارہا دیکھی ہو مگر تاریخ میں پڑھا ہے کہ اس میں ایسا ہجوم ہوتا تھا کہ آدمی کھچ مچ کے سبب سے پس جاتے تھے۔ یہ بازار بڑا چوڑا تھا گو لمبا فیض بازار اور اردو بازار کے برابر نہ تھا۔ اس کے بیچ میں ایک بڑا مدوّر خوبصورت چوک تھا۔ پتھر کا فرش تھا۔ اب وُہ سب مسمار ہوگیا صرف دو نالیاں اس کی سڑک کی باقی ہیں جو اس کے حال پہ نالاں نظر آتی ہیں۔ جامع مسجد کی سیڑھیاں

اس حکمت سے بنائی گئی ہیں کہ جتنا چلتے ہیں اسکا قدم اونچا ہوتا ہے اتنی وہ اونچی بھی ہیں تاکہ بچہ و بوڑھا
بے تکان ایسی اونچی مسجد میں نماز پڑھنے چلا جائے۔ ان سیڑھیوں پر بڑے دروازے کے سامنے چبوترے پر
سہ پہر کو کبوتر بکتے تھے۔ شاہزادے دروازے کے طاقچوں میں تکلف کا بستر جما بچھا کے بیٹھتے تھے انکی بھنڈوں کے خمیروں
کی خوشبو سے دماغ معطر ہوتے تھے۔ کبوترباز پنجروں میں کبوتروں کے جوڑے ان کے سامنے لاتے تھے اور انکو بیچ کر
ایک ایک کے سو سو کرتے تھے۔ سیڑھیوں پر کتاب فروشوں کی دکانیں لگتی تھیں ان میں قلمی کتابیں بہت بکتی تھیں۔
خوشنویس استادوں کے ہاتھ کے قطعات فروخت ہوتے تھے۔ ہتھیاروں کی بھی دکانیں لگتی تھیں۔ جسمیں ٹوٹے پھوٹے سپاہی
ان جھوٹے ہتھیاروں کے جوہر دیکھتے تھے۔ سب سے نیچی کی سیڑھیوں پر مہابرہمنوں کی دکانیں مردوں کے کپڑے بیچنے
کی لگتی تھیں۔ غریب آدمیوں کو ان مردوں کا مال سستا ہاتھ لگ جاتا تھا۔ پھر سیڑھیوں پر ہرے بھرے کی
درگاہ کے درمیان ٹٹو گھوڑے بکری بھیڑ گائے بیل بکتے تھے۔ چابک سوار اپنی شہسواری کا ہنر یہ دکھاتے تھے
کہ ایک مری ہوئی ٹٹو پر ایسی پٹیری وہ جماتے تھے کہ ٹٹو کو اسپ بادرفتار بنا کے گاہک کو دکھا دیتے تھے اور اس طرح خریدار
کو ٹھگ لیتے تھے۔ ان سیڑھیوں کے گرد کے نیچے کے چبوتروں پر بزاز اپنے دکانوں کو بہار گلزار سے کم نہیں دکھاتے تھے
انکی دکانوں پر ہر روز دو تین گھنٹے تک دھن برستا تھا۔ دوسرے دروازے کی سیڑھیوں پر مرغے مرغیاں
انڈے بکتے تھے۔ نوروز کے دنوں میں سبزوار کی مرغیوں کے انڈے اڑائے جاتے تھے اور اڑانے والے
ان میں اپنا ہنر دکھاتے تھے۔ انڈوں کی قطاریں بھی لڑائی جاتی تھیں۔ تیسرے دروازے کی سیڑھیوں پر ایک طرف
شہدے جو پہلو زمانے کے بگڑے ہوئے اشراف ہوتے تھے کعبتین کھیلتے تھے اور بڑے مزے کی گالیاں دیتے تھے۔
کہ سننے والی ہنسی کے مارے پھڑک جاتی تھے انکو سرکار کی طرف سے جوا کھیلنے کی اجازت اس سبب سے تھی کہ کبھی کوئی
ان میں سے چوری کی علت کرنے پر نہیں ہوا تھا وہ ایسے دیانتدار تھے کہ مسلمانوں کی براتوں میں جہیز ان ہی کے
سپرد کیا جاتا تھا کہ وہ دولہا کے گھر پہنچادیں جس میں کبھی کوئی غبن نہیں ہوتا تھا۔ بس اب یہ سب باتیں
خواب و خیال ہوگئیں مگر اب سب کے عوض میں اہل شہر کے لئے بڑی نعمت عظمٰی یہ ہے کہ اس میدان میں یہ متبرک
فیض رساں اسپتال ہماری مادر مہربان کی یادگار میں بن جائیگا + (محمد ذکاءُاللہ)

مخزن سبھا

مخزن نے علمی دُنیا اور خصوصًا اُردو لٹریچر کی اِس قدر خدمت کی ہے کہ اس کی خدمات کا مختصر ریویو کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ ضرورت کسی کی درخواست یا فہمائش سے محسوس نہیں ہوتی بلکہ طبیعت کا تقاضا اور دِل کی گُدگُدی ہے۔ مخزن کے اجرا اور انتظام کے منصوبوں میں مَیں بھی شریک تھا۔ اِس لئے قدرتاً مجھے اس سے محبّت ہو۔ اور اس کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مجھے ایڈیٹر مخزن سے دیرینہ اُلفت کا تعلق ہے اگرچہ اندیشہ ہے۔ کہ یورپ کی تازہ اُلفتوں کی چمک دمک سے پُرانی محبتوں کا رنگ پھیکا نہ پڑ گیا ہو۔ ذکر مخزن کا تھا محبت بیچ میں ناحق آن کودی۔

ہونہار بِروا کے چِکنے چِکنے پات۔ مخزن کی خصوصیتیں ابتدا ہی سے نمایاں تھیں مگر شروع شروع میں اس میں مبتذل تغزل کی آمیزش اس قدر ہونے لگی کہ مَیں نے علانیہ اس کی مخالفت کی۔ چونکہ مخالفت مخلصانہ تھی۔ ایڈیٹر صاحب نے غالبًا اِس شکایت کے رفع کرنے کی کوشش کی۔ اور جدت پسند طبائع نے نئی روشنی کے خیر مقدم کے لئے نظم ونثر کی کھڑکیاں کھولنی شروع کیں۔ چنانچہ چار سال کے قلیل عرصے میں بعض ایسے ایسے قیمتی مضامین مخزن میں شائع ہو چکے ہیں جن پر اُردو لٹریچر ناز کرسکتا ہے اور جو مخزن کے جواہر بے بہا کہلانے کے مستحق ہیں۔

مخزن کی کامیابی کا راز اس کے ایڈیٹر کی ہر دلعزیزی بلکہ ہر دلفریبی اور جہاندیدہ پن ہے (ندیدہ پن نہیں) اس صرّافِ جوہر اور نقادِ کمال نے ہندوستان کے ہر حصّے سے کرید کرید کر اہلِ علم کا سُراغ نکالا۔ اور بقولِ میاں قلمباز خاں اس سادہ لوح فرقے کے مچلکے لکھوا لئے۔

ایک طرف آپ نے نثر نگاری کا دنگل قائم کیا اور دوسری طرف مشاعرے کی مجلس منعقد کی۔ حضرات نثر نگار کی تعداد زیادہ اور غیر منتظم ہے۔ اور مجھے ان کی انجمن میں حاضر ہونے کا بھی کم موقعہ ملا ہے اس لیئے میں صرف مشاعرہ کا حال عرض کرتا ہوں۔

شروع شروع میں تو اہلِ کمال کو کشاں کشاں مشاعرے میں لایا گیا۔ مگر آہستہ آہستہ اہلِ بزم میں باہمی اُلفت کا رنگ پیدا ہو گیا۔ اور مشاعرے کی دلچسپیاں متقناطیسی اثر دکھانے لگیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ کیونکہ مشاعرے میں ہر قسم کا سامانِ دلبستگی موجود تھا۔ ایک طرف فرش چاندنی۔ گاؤ تکیہ۔ حقہ اور پاندان موجود تھا۔ دوسری طرف میز کرسی۔ اور ایکچیشن سگار کا بکس رکھا تھا۔ اہلِ محفل کے مختلف گروہ تھے۔ اور شروع میں اُن میں کچھ چھیڑ چھاڑ بھی ہو جاتی تھی۔ ایک فریق پنجابی ڈھگے کی پھبتی کہتا تھا۔ دوسرا ہندوستانی زنخے کا خطاب دیتا تھا مگر رفتہ رفتہ باہمی موانست پیدا ہوگئی۔ یہ اُن کی جدتِ طبع کی تعریف کرنے لگے۔ اور وہ ان کی پرانی تہذیب اور زباندانی کی۔ قدر کرنے لگے۔ ایسا ہی باعتبارِ روش دو فریق تھے۔ ایک معشوق پرست۔ دوسرا نیچر پرست۔ یہ ان کی شاعری کو بناوٹی اور نامعقول بتاتے تھے۔ اور وہ انکی روش کو دندان بدہان اور فضول خیال کرتے تھے۔ مگر باہمی میل جول سے عشقبازوں کی وحشت اور نیچریوں کی خشک مغزی کم ہونے لگی۔ اِدھر شوریدگانِ عشق کو سبزۂ لب جو میں زُلفِ یار کا سین دکھائی دینے لگا اور اُدھر ع اہلِ نیچر پہ محبت کا اثر ہونے لگا۔ غرض نتیجہ یہ ہوا کہ مشاعرے میں بزمِ اُنس کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور اب یہ کارخانہ ایسا چل نکلا ہے کہ اگر چرخہ کاتنے والی لنڈن میں نکاح بھی کرلے۔ تو یہ چرخہ بدستور چلتا رہیگا۔

اب اہلِ مشاعرہ کا میں مختصر طور پر ذکر کرتا ہوں۔ اقبال۔ نیرنگ اور اعجاز سے احقر کا پُرانا یارانہ ہے۔ اور ان ثلاثہ غسالہ کی تعریف کرنا گویا دہمت فروشی ہے۔ باعتبارِ نقص وکمال

"فَضَّلْنَا بَعْضَکُمْ عَلٰے بَعْضٍ" کا ہر شخص تابع ہے - مگر اس میں شک نہیں کہ زمین سخن میں ہمارے دوستوں نے ترقی کاشت اور نوتوڑ کی قابلِ تحسین کوشش کی ہے - یہ تینوں اصحاب گویا مخزن کی مشترکہ کمپنی کے ڈائرکٹر ہیں - اِس لئے مخزن میں ان کی زیادہ تعریف کرنا غیر موزون سمجھکر میں عام حصّہ داران کے سرمایہ کا جائزہ لیتا ہُوں -

مولانا شادؔ عظیم آبادی - مولانا ممدوح کا نام شعرائے مخزن میں منسوب ہونا مخزن کے لئے قابلِ فخر ہے - اور ایسے بزرگ کا سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا قابلِ تشکر ہے - نئے پَودے میں ایک آدھ پُرانے درخت کا ہونا ضروریات سے ہے - پُختہ اور متین شاعری کے نمونے نوجوانوں کی آزاد اور بے لگام شاعری کے لئے مصلح کا کام دیتے ہیں - مولٰینا کی شاعری میں جامعیت کی خوبی ازبس قابلِ تعریف ہے - انکے کلام میں قریب قریب سب خوبیاں - قدیم اور جدید - شاعری کی موجُود ہیں - کلام پختہ - عموماً نیچرل اور صاف ہے تصوّف کا رنگ گھرا - اور کیفیت سی پُر ہے - جیسے جامۂ فقر میں قلب و دخل کی بہت گنجائش ہے ایسے ہی صُوفیانہ کلام میں مُہمل اور مبہم بھرتی کی بہت گنجائش ہوتی ہے اور نیچرل اور اصلی تصوّف جس کی قدرتی جذبات پر بنا ہو ہر سخن ساز کا کام نہیں لیکن مولانا کے کلام میں خالص تصوّف کی جھلک نظر آتی ہے اور اس وجہ سے انکے کلام کا رُتبہ عام شعرا سے ہم بالاتر سمجھتے ہیں - اس کے علاوہ ان کی شگفتہ - اور پُرشباب غزلیں بھی قابلِ تعریف ہیں - اور مخزن سبھا کے لئے اگر کسی راجہ اِندر کی تجویز یا صدر انجمن کی ضرورت ہو - تو مولانا کا نام ہم پیش کرینگے - اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ مولانا سبھا کے جلسوں میں کم تشریف لاتے ہیں - مگر صدر انجمن عموماً ایسا ہی کیا کرتے ہیں -

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی - مولانا کے دستِ راست پر مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہیں - یہ بھی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مشاعرے میں کم تشریف لاتے ہیں مگر "شمع ہستی" کا جلوہ دکھا کر - اہلِ بزم کو انہوں نے محوِ حیرت کر دیا - اور اب اگر وہ مخزن سے پہلو تہی بھی کرنا چاہیں - تو مخزن ان کا پیچھا چھوڑیگا؟

مولانا شاعری کے محسن اور ریفارمر ہیں اور ان کی کثیر التعداد نظمیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر شمعِ ہستی ایسی نظم ہے جو ہمیشہ زندہ رہیگی اور مولانا کا نام زندہ رکھیگی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حافظ سید فضل حق آزاد صاحب عظیم آبادی۔ سید صاحب موصوف بھی پرانے درختوں میں ہیں۔ کبھی کبھی ہری کونپلوں کا رنگ بھی دکھا جاتے ہیں۔ اور پُر زور و پختہ کلام سے مشاعرے کو محظوظ کرتے ہیں

ان تینوں بزرگوں کی خدمت میں ادب سے التماس ہو کہ وہ مخزن کے حال پر زیادہ توجہ مبذول رکھیں۔ اور جب "عمر گذری ہے اس دشت کی سیاحی میں" تو گاہے گاہے مخزن کی بھی سیر دیکھ لیا کریں۔

جناب مولانا قبلہ خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی بھی ایک آدھ غزل مخزن میں شائع ہو چکی ہو۔ مگر وہ مخزنی شاعر نہیں کہلا سکتے مولانا بوجہ چند مجبوریوں کے مستقل امداد سے قاصر ہیں۔ مگر شعرا مخزن میں تین چوتھائی کے قریب ان کے شاگردانِ معنوی ہیں اور اس لئے مخزن ان کے فیضانِ کمال سے محروم نہیں۔

اس کے بعد مخزن کے یارانِ جلسہ اور پُر جوش اہلِ سخن کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مخزن کی مشین چلا رہے ہیں۔ ان میں بعض پختہ کلام۔ اور بعض تازہ مشق ہیں۔ مگر مادۂ ایجاد کم و بیش سب کی طبائع میں موجود ہے۔ اس ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا لحاظ نہیں کیا گیا کیونکہ ملکِ سخن کا ہر ایک فرمانروا اپنے آپ کو خاقانِ اعظم سمجھتا ہے اور نمبر کی قید برداشت نہیں کر سکتا اور ایڈیٹر صاحب مخزن کو بھی میں مشورہ دیتا ہوں کہ بے ترتیبی کو اصولِ ترتیب رکھا کریں۔ غرض بے ترتیبی میں نمبر اول ہمارے مخدوم پروفیسر شہباز کا ہے۔ نیچرل شگفتگی اور دلچسپی میں ان کا کلام بے نظیر ہے متین رنگ میں بھی وہ لکھ سکتے ہیں مگر تصوف کا جامہ حضرت کے قد پر درست نہیں آتا۔ اردو نظم و نثر میں مفرح اجزا کی بہت کمی ہو جس کو حضرت شہباز نہایت

عمدگی سے پورا کر سکتے ہیں لہٰذا اُن کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ تصوّف کو بالائے طاق رکھ کر ہم کو چڑیا خانے کی سیر کرائیں ان کی چڑے چڑیا والی نظم اپنی نوعیت میں سب سے نرالی تھی ایسے ہی حضرت واسطی کی خدمت میں التماس ہے کہ وُہ طبیعت پر زیادہ زور نہ ڈالا کریں اور عاشقانہ شاعری کے ریویو میں جو پُر لطف آمد انہوں نے دکھائی تھی اسی خُم سے کچھ اور جام ہدیۂ احباب کریں۔ ہم انکو عبارت آرائی کی تکلیف نہیں دینا چاہتے۔ صرف ان کی باتیں سُننا چاہتے ہیں۔ آپ کی تازہ نظم متعلق تختِ طاؤس قابلِ داد ہے۔ اور نہایت عبرت انگیز ہے

ہم بعض ہندو احباب خصوصاً حضرات سرور و طالب کے تہ دِل سے مشکور ہیں کہ مشاعرہ مخزن کو قدوم میمنت لزوم سے اُنہوں نے بے انتہا رونق بخشی ہے۔ اور ہندو مُسلمان کا تعصّب جو طاعون ملعون کی طرح روز بروز بڑھتا جاتا ہے اس کے کم کرنے کا ایک عملی طریق بتا دیا ہے ایک مشترکہ لٹریچر اور ایک مشترکہ زبان ہندو مُسلمان کے ملاپ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور جو لوگ اس کی علیحدگی کی کوشش کرینگے وُہ ان دونوں قوموں کی علیحدگی اور منافرت کا بیج بوئینگے۔ قومی لیڈروں کی خدمت میں التماس ہے کہ ایک ٹانکا باقی رہگیا ہے اس کو بھی اُدھیڑ کر ہندوستان کی جمعیت کا شیرازہ پریشان نہ کریں۔ جناب سرور کے کلام سے واقعی سرور حاصل ہوتا ہے اور بے اختیار یہ مصرع زبان پر آتا ہے ع اے وقتِ تو خوش باد کہ وقتِ ما خوش کردی۔ سرور کی شاعری میں عشق اور نیچر دونو موجود ہیں اصل بات یہ ہے کہ بے مغز شاعروں نے معشوق کو ذلیل کر رکھا تھا۔ ورنہ معشوق ایک پیاری اور نیچرل چیز ہے۔ اور سرور کے معشوق سے تو ہم کو بھی اُلفت ہو گئی ہے۔ سرور اور طالب دونوں صاحبان مشاعرہ کی زینت ہیں اور "شیون عروس" و "شاہ ادہم" نے مشاعرے میں وُہ لطف پیدا کر دیا کہ اہلِ محفل گھنٹوں سر دُھنتے رہے۔

حضرت نادر کاکوروی ہمارے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں اور اُن کی "سیدھی سی کوک" نے

دل پر نشتر کا کام کیا۔ یُوں معلوم ہوتا ہے کہ میرا دل اُن کی زبان میں چلا گیا ہے۔ حضرت آزاد کاکوروی کا ترجمہ شکسپیئر اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ مگر اس کے بعد ان کے کلام سے مشاعرہ مستفیض نہیں ہوا۔ مسٹر ظفر وزیر آبادی احقر ناظر کے زمانہ طالب علمی سے منظورِ نظر رہے ہیں۔ اِس لئے ان کے کلام کی نسبت شاید میری رائے پر محبت کا الزام عاید ہو سکے مگر اب وُہ صاحبِ تصنیف ہیں اور ان کا نا کام بیرسٹر" قبولیتِ عام کی کھون پہن چکا ہے اُمید ہے کہ ایسی نظموں سے وُہ لُطفِ مخزن دوبالا کرتے رہینگے۔

یلدرم بغدادی (اُونٹ نہیں آدمی ہیں) اور نذیر انبالوی بھی ہمارے پُرجوش اور بامذاق دوست ہیں ہندی بوتلوں میں انگریزی شراب بھر دیا کرتے ہیں۔ اور کبھی کاک بند رہتا ہے کبھی کُھل جاتا ہے۔ مگر جُرعہ آشام اس میں نئی کیفیت پاتے ہیں۔ اور ان ہر دو زندہ دل دوستوں کو محبت سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت صادق کے مناظر کشمیر ہمیشہ دلچسپی سے دیکھے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے۔ بندہ ناظر نے بھی اپنا فوٹو کا کیمرہ اُنہیں کے سپُرد کر رکھا ہے۔ عموماً ان کی تصویریں دل کش ہوتی ہیں۔ مگر بعض اوقات دفتر کا کام زیادہ ہو جانے سے رنگ آمیزی کے لئے ان کو کافی وقت نہیں ملتا۔

سیّد مہدی حسن صاحب سے ہماری مُلاقات نہیں اور وُہ مشاعرے میں بھی کم آتے ہیں۔ آ مگر وُہ اپنی تازہ نظم میں لکھتے ہیں" ناظر السّلام" اِس لئے میں بھی عرض کرتا ہُوں۔ "مُہدی السّلام"۔ افسوس کہ یہ مضمون نامکمل رہا جاتا ہے۔

مگر اب ہم سب دوستوں سے سلام کہکر رخصت ہوتے ہیں ع پھر ملینگے اگر خدا لایا

(احقر ناظر از کشمیر)

بادل کی تقریر

(ترجمہ از انگریزی)

گرمی کے موسم میں جبکہ آفتاب کی تپش سے پھول کملائے ہوئے ہوتے ہیں تو میں سمندروں اور ندیوں کے پانی کی ٹھنڈی بوچھاڑ سے ان کو تروتازہ کرتا ہوں۔ جبکہ شاہِ خاور اپنی پوری شان و شوکت دکھلاتا ہے اور درختوں کے ہرے ہرے نازک پتے گرمی کے مارے سیاہ ہوجاتے ہیں تو میں اُن پر سایہ کرتا ہوں۔ غنچے بیچارے معصوم جب پیاس کے ہاتھوں تنگ آتے ہیں تو میں اُن کے حلق میں شبنم کے باریک باریک قطرے ٹپکاتا ہوں۔ سبز میدانوں کی ہری پوشاک پر میں اولوں کی سفید چمکیلی چادر ڈال دیتا ہوں۔ اور پھر انکو شفاف پانی سے نہلاتا ہوں۔ ہنسکر پھر میں وہاں سے غائب ہوجاتا ہوں۔ جبکہ صنوبر کے درخت پہاڑ کے ڈھلوان چٹانوں پر میرے خوف سے سکڑے کھڑے ہوتے ہیں تو میں برف کا تکیہ لگاکر ہوا کی گود میں آرام کرتا ہوں۔

آسمان کی بلندی پر میرا محل ہے۔ اُس محل میں میرا رہنما جس کو میں بجلی کہہ کر پکارتا ہوں قیام پذیر ہے۔ میرے محل کی اندھیری کوٹھریوں میں میری گرج بند ہے۔ اور کبھی کبھی اندھیرے سے گھبرا کر چلا اُٹھتی ہے۔ سمندروں کی تہ میں جو خزانہ ہے اُس کی آرزو میں میرا رہنما مجھے پہاڑوں۔ جھیلوں۔ میدانوں اور ندیوں پر لئے پھرتا ہے۔ اور جب اُس کو سفر کی تکان ستاتی ہے تو کہیں کسی شفاف جھیل یا پُرفضا میدان میں آرام کے لئے اُترتا ہے اور میں مزے سے نیلے آسمان پر اپنا پھریرا اُڑاتا ہوں۔ صبحدم آفتاب بڑی شان و شوکت سے اپنے قیام گاہ سے برآمد ہوتا ہے۔ تو میرے ہی کندھے پر اسے سواری ملتی ہے۔ اور جب دن کی محنت اور کام کاج سے تھک جاتا ہے اور زمین کو سُرخ چادر پہناتا ہے تو میں کبوتر کی

مانند اپنے بازو پکڑ کر ہوائی کمروں میں آرام کرتا ہُوں۔

جب شب ہو جاتی ہے یعنے جہان کو روشن کرنے والا جب مغرب میں جا ڈیرہ ڈالتا ہے تو ایک خوبصورت لڑکی سفید نُورانی پوشاک زیبِ تن کر کے۔ میری باریک چادر پر جس کو ہوا نے پھیلا دیا ہے خراماں ہوتی ہے۔ اس دُلہن کو لوگ چاند کہتے ہیں میری چادر بہت ہی باریک اور ہلکی ہوتی ہے اور ایسی نازک ہوتی ہے کہ نرم رفتار کی بھی اُس میں برداشت نہیں ہوتی۔ اِس پری تمثال کی چال سے بھی اس میں رخنے ہو جاتے ہیں۔ اور اِن رخنوں میں سے تارے اُس دُلہن کے حسن کی تاب نہ لاکر آنکھیں مارتے ہُوتے برآمد ہونے ہیں۔ مَیں چاند اور اُس کے ہمراہیوں کو دیکھ کر قہقہہ لگاتا ہُوں اور وہاں سے کِھسک جاتا ہُوں۔ میری اس غیر حاضری میں جھیل۔ سمندر اور ندیاں چاند اور تاروں سے پُر معلوم ہوتی ہیں۔ آفتاب کے تخت کے گرد مَیں آگ کا ایک حلقہ باندھتا ہُوں اور چاند کی کُرسی کے گرد میں موتی بکھیرتا ہُوں۔ جب ہوا میرا جھنڈا لیکر آسمان کے چاروں طرف چکر لگاتی ہے تو آتش فشاں پہاڑوں کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور تارے شرما کر اوٹ میں ہو جاتے ہیں۔ مَیں اِس طرح دُنیا کی چھت بنجاتا ہُوں اور پہاڑ میرے ستُون ہوتے ہیں۔ میرے محراب دار دروازے کو جس میں کڑکتا ہوا۔ آگ اور برف برساتا ہُوا نکلتا ہُوں۔ آفتاب ست رنگی پوشاک پہناتا ہے اور اس کا نام قوس قزح رکھتا ہے۔ مَیں آسمان اور زمین اور پانی کا بچہ ہُوں۔ سمندر کی رگوں سے گذرتا ہُوں۔ میری شکل بدل جاتی ہے مگر مَیں کبھی نہیں مرتا ✦

بشیر احمد (از لنڈن)

خط بنامِ محبّانِ وطن

(۱)

تجارت اور حُبّ وطن

میرے دوستو!

سرزمینِ ہند ایک فرضی مُلک نہیں ہے۔ یہ بیسویں صدی کا واقعی جیتا جاگتا ملک ہے۔ لیکن اتنا عظیم الشان اور اِس قدر وسیع ہے۔ کہ ہوشیار سے ہوشیار اور قابل سے قابل الفاظ کا مصور اس کی تصویر جیسی کہ چاہیے نہیں کھینچ سکتا۔ جسے دیکھ کر اجنبی اسکو ٹھیک طور سے سمجھ سکے۔ خود ہندی اپنے مُلک کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کونے کو جس میں وُہ رہتا ہے ہند سمجھے بیٹھا ہے۔

دکھن کا رہنے والا کسان سمجھتا ہے۔ کہ ہند میں موسم گرما ہی رہتا ہے اور کپڑے صرف بدن کے مخصوص حصّے ڈھانپنے کے یا خاص نمائش کے کام آتے ہیں۔ ہمالیہ کا رہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اقلیم ہند ایک برفستان ہے۔ جہاں گرم کپڑا اور جاڑے میں جلانے کا ایندھن زندگی کی ضروریات میں سے ایسا ہی اَہم ہے۔ جیسا روٹی بنانے کا آٹا جس پر اُس کی بقاءِ حیات منحصر ہے۔ آسام کے رہنے والے قُلی کے لئے سرزمینِ ہند ایک ایسا مُلک ہے۔ جہاں مُوسلادھار بارش برستی رہتی ہے اور جھونپڑیوں کی چھتیں ایسی گنجان بنائی جاتی ہیں کہ بارش کا پانی اندر نہ گھُس سکے۔ راجپوتانہ کے رہنے والے کے لئے یہ ملک صحرائی افریقہ کا نمونہ ہے۔ جہاں جلانے والی بادِسموم اور اندھا کرنے والی اندھیوں سے بچنے کے لئے پناہ کا

سامان بہم پہنچانا ضروری ہے۔ ایک طرف کا رہنے والا اسکو گیہوں اور گھی کا ملک بتاتا ہے۔ اور دوسری طرف کا رہنے والا اس کو چاول کا ملک جانتا ہے۔ ایک طرف نمک کی کثرت ہے۔ تو دوسری طرف کوئے کی افراط۔

سیاستِ مدن کی رو سے بھی سرزمین ہند میں وہی گوناگونی ہے۔ تیس کروڑ کے قریب آبادی ہے۔ جس میں سے کچھ شاہنشاہ ہندوستان کے ماتحت ہیں۔ اور کچھ اپنے ہی ملک کے راجاؤں اور نوابوں کے زیرِ نگین ہیں۔ مہاراجے اور گائیکوار نظام اور نواب راجے اور راجکمار اس سرزمین میں کثرت سے ہیں۔ لیکن کیا یہ سبب کچھ باعثِ افتخار ہے۔ سرزمین کی وسعت سے کیا فائدہ!! کثرتِ آبادی سے کیا حاصل! بیشمار تاجداروں راجوں اور نوابوں کی لمبی فہرست سے کیا مطلب۔ جب کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے ملک کی نجات کی کوشش نہ کرتا ہو۔ کسی شئے کی نجات اس کے اندر ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ہند کی نجات بھی اُس کے اندر ہی سے پیدا ہونی چاہیئے۔ سرزمینِ ہند انواع واقسام کے خزانوں سے معمور ہے۔ کوئی ہی چیز ہوگی۔ جو یہاں پیدا نہ ہو سکے۔ دنیا کی ہر قسم کی آب و ہوا اور ہر قسم کی زمین یہاں موجود ہے۔ اور اس لئے ہند کے لئے دوسری جگہ بازار ڈھونڈھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں قدرتی خزانوں کی اِس قدر کثرت ہے۔

وہاں مزدوری اور سستی اُجرت اس قدر دستیاب ہے۔ کہ ملکِ ہند تمام دنیا کے ملکوں پر قہقہہ مار سکتا ہے۔ اور اپنی ضرورتیں اپنے عیش و عشرت کے سامان اپنے ہی پیٹ کے اندر سے پیدا کر سکتا ہے۔ یہ صرف خواب و خیال ہی نہیں ہے سچی اور حقیقی سرگذشت ہے۔ لیکن راجاؤں نوابوں اور عوام الناس کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہیئے ورنہ یہ بسا ہوا ملک آباد نہیں رہیگا۔ روما کی عظیم الشان سلطنت برباد ہوئی کیونکہ گوتھ اور ہن اس پر حملہ آور ہوئے۔ سرزمینِ ہند میں غیر قوم کی بنائی ہوئی چیزیں گوتھ اور ہن

کا کام کر رہی ہیں۔ اگر یہی حال رہا۔ تو ملک کا حال ناگفتہ بہ ہوگا۔ ہر ایک ہندی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ملک کی صنعت اور حرفت کو بڑھائے۔ ہر ایک ہندوستانی سوداگر اور کاریگر کے دل میں حُبِّ وطن کی پاک آگ مشتعل ہو۔ اور وہ سوداگری اور کاریگری اس واسطے کرے کہ اس کے وطن مالوف کی دولت زیادہ ہو۔ یہ خیال ہندیوں کے لئے بالکل نیا اور عجیب ہے۔ کیونکہ یہاں روپیہ پیدا کرنا حُبِّ وطن کے ساتھ شاذونادر وابستہ ہے۔ ایک وکیل روپیہ پیدا کرتا ہے۔ اور ایسے لوگوں اور خاندانوں میں جھگڑے پیدا کرتا ہے۔ جہاں پہلے کسی قسم کی بنائے مخالفت نہ تھی۔ ایک بنیا اناج کی خرید و فروخت حُبِّ وطن کے خیال سے نہیں کرتا۔ سخت قحط سے خوش ہوتا ہے۔ اور اپنے اناج کو سو فیصدی منافع پر بیچتا ہے۔ ساہوکار کے خیال میں ہرگز حُبِّ وطن نہیں۔ وہ کسان کو رہن نامہ پر دستخط کرنے کو کہتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے کہ یہ سود در سود اور رہن نامہ کے قانونی الفاظ اُس کی زمین کو اُس کے پاس واپس نہیں جانے دینگے۔ اس طرح پر روپیہ کمانا گو قانون کی حد میں ہے۔ مگر حُبِّ وطن پر مبنی نہیں ہے۔ اِس کے مقابلے میں اُس آدمی کا خیال کرو۔ جو کوئی سوداگری یا صنعت و حرفت کا کارخانہ اِس غرض سے کھولتا ہے۔ کہ اس کے ملک کو فائدہ ہو۔ اور اُس کے ہم قوموں کو روزگار ملے۔ اور ساتھ ہی اس کا خود فائدہ ہو۔ ایسا آدمی راجہ اور نواب سے بھی بڑھ کر مالدار ہو سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے ایک بجا فخر اور ایک باعزّت خوشی اپنے دل میں محسوس کر سکتا ہے۔ کہ اُس نے اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچایا۔ اور ملک کی بھی خدمت کی۔ مقدموں کی تعداد بڑھانا قحط پیدا کرنا۔ دیوالوں کی فہرست لمبی بنانا کچھ اور کام ہے۔ اور کارخانے بڑھانا اور اُن کے ذریعہ سے ملک کی دولت بڑھانا کچھ اور۔

لیکن وکیل۔ غلّہ فروش اور ساہوکار بھی اپنے مختلف پیشوں میں حُبِّ وطن کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ وکیل کا پیشہ نہایت ہی معزز اور محبِّ قوم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنا فرض سمجھے۔ اسکا کام ہے کہ حق کے لئے کوشش کرے ظلم کو دبائے۔ اس کو بہت فراغت اور فرصت حاصل ہے۔

اور اپنے پیشے کے علاوہ اپنے ملک کی دولت اور کارخانے بڑھانے میں نہایت مفید مدد دے سکتا ہے۔ اس طرح غلّہ فروش ایک معقول فائدہ حاصل کرنے کے بعد اپنے مُلک کی خدمت کئی صُورتوں سے کرسکتا ہے۔ ساہوکار اپنا روپیہ ایسی حُبُّ الوطنی کے ساتھ ملک میں پھیلا سکتا ہے۔ جس سے ملک کی ہر قسم کی صنعت و حرفت پھیل سکتی ہو۔ اور اس سے ساہوکار بھی مستفید ہو سکتا ہے۔

لیکن حُبُّ الوطنی صنّاع کے دل میں ہی پیدا ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ظاہری نشان بورڈوں پر۔ ملک کے لئے اچھی اور خالص چیزیں پیدا کرنی چاہئیں۔ نہ صرف یہی اشتہار دیا جائے کہ یہ دیسی چیزیں ہیں۔ اس لئے اُن کی خریداری اہلِ ملک پر فرض ہے۔ جو چیز بنائی جائے وُہ اصلی اور قابلِ قدر بہمہ وجوہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ جو شخص یہ اشتہار دیکر کہ یہ دیسی ساخت کی ہیں اپنی چیزیں فروخت کرتا ہے۔ فائدہ کی جگہ ملک کا اُلٹا نقصان کرتا ہے۔ کیونکہ اگر مثلاً ہند کی بنی ہوئی دیاسلائی کافی روشنی نہ دے۔ یا لاکھ کافی طور سے نہ پگھلے۔ یا چاقو کافی تیز اور پائیدار نہ ہوں۔ اور لیمپ کی چمنیاں شفّاف اور چمکدار نہ ہوں تو یہ ہرگز اُمیّد نہ رکھنی چاہیئے۔ کہ محبانِ قوم اس قدر صابر ہونگے۔ کہ باوجود اِن نقصوں کے ان چیزوں کو خریدتے ہی رہیں گے ہندوستان کے لوگ بہت چیزیں اعلیٰ قسم کی بنا سکتے ہیں۔ اِس طرح سے اگر کام کیا جائے تو ہند کی آئندہ بہبودی اور بہتری کی عمارت تعمیر ہونی شروع ہو جائیگی۔ جو شخص محض نفع کے لئے اشیاء کی اندرونی خوبیوں کو بگاڑتا ہے۔ اپنے مُلک کا سچا دشمن ہے۔ اِسی طرح سے خریداروں کو بھی واجب ہے۔ کہ اپنے برتاؤ میں حُبِّ وطن کو کام میں لائیں۔ اُن کے مُلک کی چیز خاطر خواہ مل سکتی ہو۔ وُہ غیر قوم کی چیزوں کو ہرگز نہ خریدیں۔ اور اس طرح سے کاریگر اور خریدار دونوں اپنے مُلک کی بہبودی اور بہتری مدِّ نظر رکھیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان کا پھر وُہ سُنہری زمانہ واپس آجائے۔ جو کبھی اسے حاصل تھا۔ کیا ہی خوش نصیب وہ شخص ہے۔ جو

دِن بھر محنت کر کے شام کو اپنے دل میں خیال کر سکتا ہے۔ کہ آج میں نے دِن بھر کام کیا۔ جس سے میری بیوی اور بچّوں کا پیٹ پلا۔ اور آیندہ کی ضرورتوں کے لئے بچ رہا۔ اور ساتھ ہی میں اپنے مُلک کے لئے کسی قدر بھلائی کا باعث ہوا !!! (باقی آیندہ)

ایک ہندی (از برما)

گُل و اِنسان

وُہ بھی عجیب دن تھے کہ عہدِ شباب تھا — اپنا رُخِ صبیح شگفتہ گلاب تھا
گُل کا عذار مُصحفِ گلزار تھا اگر — اپنا شباب غیرتِ دُرِّ خوش آب تھا
واں عارضِ جمیل پہ بجلی کی تھی تڑپ — یاں شعلۂ عذار میں اک التہاب تھا
واں تمکنت سرِ گُل کی گلستاں دماغ دار — یاں حُسنِ دِلرُبا کا عجب رُعب و داب تھا
واں بادۂ طرب سے بھرا تھا ایاغِ گُل — یاں بزمِ انبساط میں دَورِ شراب تھا
آئی خزاں تو دونو کی حالت تھی ایک سی — پانی کا بُلبلا تھا لبِ گُل حباب تھا
واں ابرِ نیستی تھا سرِ گُل پہ سایہ وار — یاں حُسنِ سحر فن پہ فنا کا سحاب تھا
جو بال مشکفام تھے کافور ہو گئے — اسفند سا سفید سرِ بے خضاب تھا
رُخصت ہُوئی جو نزہتِ گُل باغِ دہر سے — اپنا سفیرِ حُسن بھی پا در رکاب تھا
واں شاخ سے درخت کی پتّی ہُوا ہوئی — یاں جسم کو قویٰ کی طرف سے جواب تھا
باغِ جہاں کو خار تھے آخر گُل اور ہم — گُل کا نہ کچھ شمار نہ اپنا حساب تھا
جاتا رہا وُہ جوش بھرا تھا جو قلب میں — غائب ہوا وُہ ذہن جو حاضر جواب تھا
طالب تھا اس نمود کا آغاز خوشنما — انجام کو جو غور سے دیکھا تو خواب تھا

شہرِ خموشاں

کون کہتا ہے کہ دو اشک بہاتے جانا — کون کہتا ہے کہ دو پھول چڑھاتے جانا

سر اخلاص سے او ناز سے جانے والے — میری تربت پہ ذرا ہاتھ اٹھاتے جانا

ہر قوم کی موجودہ حالت کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے ازیاد رفتہ مقبروں اور مزاروں کی خاموش اور مُردہ تصویریں بڑے مشاہدیں سے ہیں - عبرت بین آنکھوں پر ان کی سیر سے نہ صرف دُنیا کی بے ثباتی اور بے مائگی اور اس کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے بلکہ کسی حد تک یہ بھی روشن ہوتا ہے کہ وُہ قوم جس کے افراد بارِ زندگی سے سُبکدوش ہو کر شہرِ خموشاں میں عزلت گزین اور تنہا نشین ہوئے ہیں - اس کے زندہ اشخاص کس وضع اور طریق پر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں - تنگ دست ہیں یا خوشحال - بے مذاق اور مُردہ دِل ہیں یا خوش مذاق اور زندہ دل - علم دوست اور نامِ رفتگاں کو زندہ رکھنے والے ہیں - یا جاہل - بے علم اور گذشتہ بزرگوں کے ناموں کو مٹانے والے - حق پرست اور خدا دوست ہیں یا اوہام پرست اور پستی کے گڑھے میں گرے ہُوئے - بسا اوقات سیر و سفر کا اتفاق ہوتا ہے - تو بلیثماک اسلامی قبرستان آنکھوں کے سامنے سے گذرتے ہیں اور کبھی ایسا موقعہ نہیں ہوا کہ اُن کی کس مپرسی - بیکسی اور بے سروسامانی دیکھوں اور معًا اہل اسلام کی مُردہ دلی اور حالتِ زوال کا نقشہ میرے روبرو نہ کھل جائے - برخلاف اس کے جہاں کہیں انگریزوں کا گورستان دیکھنے میں آتا ہے - اُس کی رونق اور شگفتگی دیکھ کر بے اختیار اس قوم کی اقبال مندی اور عروج یاد آتا ہے - اہلِ فرنگ جیسے متموّل - مہذب - بامذاق اور زندہ دل ہیں - ان کے گھر آراستہ پیراستہ اور اندر باہر سے رشکِ بوستاں ہیں - انکے قبرستان

بھی رنگا رنگ پھولوں سے رشک باغ جنان ہو رہے ہیں جنکو محبت اخلاص اور خوش مذاقی نے طرح طرح کی سجاوٹوں اور کیاریوں میں سجایا ہے - اسی طرح اہل ہند جو ان کی نسبت علوم میں درماندہ اور خوش مذاقی اور زندہ دلی سے دُور ہیں ان کے رہنے سہنے کے مکان سامان راحت و آرام سے خالی ہیں اور اُن کے گورستان - مدفن اور مرگھٹ بسا اوقات معمولی خبر گیری اور احتیاط سے بھی محروم ہیں - اگر رُوحِ انسانی کو موت کے بعد دنیا و مافیہا سے کچھ بھی تعلق یا واسطہ باقی رہتا ہے تو بیشک ہم کہہ سکتے ہیں کہ انگریزوں کے مُردے بہ نسبت دیسیوں کے مُردوں کے زیادہ خوش حال اور آرام میں ہونگے یا کم از کم اپنے پس ماندگان اور آیندہ نسلوں سے زیادہ رضامند ہونگے بہ نسبت اس کے کہ ہمارے مُردہ آبا و اجداد ہم سے ہوں -

اتّفاق سے جس شہر میں راقم حروف مقیم ہے اس میں ایک انگریزوں کا قبرستان بھی ہے اس کے گرد پختہ پتھر کی چار دیواری ہے اور بیچ میں گز گز دو دو گز کے فاصلہ پر باقاعدہ قبروں کی قطاریں ہیں جن پر سنگ مرمر اور دُوسرے مختلف قسم کے پتھروں کے سادہ مگر خوش وضع تعویذ ہیں - سونیوالوں کے سرہانے قسم قسم کی صُورتوں اور شکلوں کی صلیبیں نصب ہیں - جن پر پتھر کے مصنوعی پھول اور قدرتی گلہائے خوشرنگ کے گل بوٹے لگے ہیں - جن کو پس ماندگان نے اپنے مقدور و حیثیت اور خوش سلیقگی کے مطابق سجایا ہے - اور محبت اور اخلاص نے ان پر عرقِ شبنم چھڑکا ہے - ان پر مرنے والوں کے حالاتِ زندگی اور کارنامے درج ہیں - صاف زمین پر سبزۂ تر کا ہرا ہرا قالین بچھا ہے - اور ہر تعویذ کے گرد اس انداز سے گلبن لگائے گئے ہیں - کہ پھولوں سے لدی ہوئی شاخیں اور سدابہار بیلیں اس پر جھکی پڑتی ہیں اور اسے تماشا گر آنکھ کی دریدہ نگاہوں سے گویا چھپائے لیتی ہیں - گھاس کو روزانہ خس و خاشاک سے پاک کیا جاتا ہے بیلوں اور پھولوں کی شاخوں کو الگ الگ ترکیبوں سے سجایا جاتا ہے - بعض پر سُورج چمک رہا ہے بعض سایہ دار درختوں کے آرام بخش سایہ میں آرام کر رہے ہیں - غرض جس طرف نظر اُٹھا کر دیکھو

خواہ مخواہ آنکھیں گرویدہ ہوئی جاتی ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے روزانہ کاروبار میں دوڑ دھوپ کرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ایڑیاں اُٹھا کر اور گردن بڑھا کر ایک نظر دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتے۔

بعض فارغ البال تو ایسے از خود رفتہ ہوتے ہیں کہ اس کی دیواروں کے ساتھ پہروں لگے کھڑے رہتے ہیں۔ خُدا جانے دل ہی دل میں کیا سوچتے ہیں اور لُطف اُٹھاتے ہیں کہ آنے جانے والوں کی ادب آموز نگاہیں بھی ان کو اپنے اس جنون آمیز نظارے سے باز نہیں رکھ سکتیں۔

اس کے مقابل میرے ہمسایہ میں مُسلمانوں کا ایک پُرانا قبرستان ہے۔ شہر کے مُردے تو اب اس میں دفن نہیں ہوتے مگر محلّہ والے اب بھی اپنے عزیز و اقارب کو یہیں دفن کرتے ہیں۔ صدہا سال کے مُردے جن کی ہڈیاں تک گل سڑ کر غبار ہو گئی ہیں۔ یہاں موجود ہیں۔ شہر بھر کے بڑے بڑے۔ حاکموں۔ عالموں اور فاضلوں کی ہڈیاں یہیں پیوندِ زمین ہیں۔ بڑے بڑے منشی۔ ادیب۔ خطیب۔ حکمران اور تیغ زن اپنے اپنے کارنامے ختم کر کے اسی خاک کے سپرد ہوئے ہیں۔ اچھے اچھے نامور اور بہادر موت کے ہاتھوں شکست کھا کر اسی آخری جائے پناہ میں آکر پناہ گزین ہوئے ہیں۔ یہ مقام جو اس قدر دانائی۔ علم و فضیلت۔ صنعت و حرفت۔ ہنر و حکمت۔ تقویٰ و طہارت۔ زہد و ریا۔ عشق و وفا۔ حسن و جمال۔ جاہ و جلال اور حشمت و اقبال کا مخزن ہے۔ اس کی موجودہ حالت دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو رونے کو جی چاہتا ہے اور سوائے حسرت و افسوس کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ سنگ و خشت و مٹّی کی چار دیواری تو کجا ایک طرف لکڑی کے کٹہرے تک نہیں۔ بھیڑ بکری کے گلّے اور شہر بھر کے مویشی جو چرنے نکلتے ہیں یا شام کو شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اسی راستے سے چلتے ہیں۔ اور بیچارے سالہا سال کے مُردوں کی مٹّی خراب کرتے اور ہڈیاں روندتے چلے جاتے ہیں۔ ہر طرف قبروں کے وسط میں پگڈنڈیاں پڑی ہیں اور لوگ بے تکلف زیرِ لحد سونے والوں کو لتاڑتے ہوئے گذرتے ہیں اور آنکھ اُٹھا کر

بھی نہیں دیکھتے کہ چاروں طرف ملک الموت کا گھر آباد ہے اور ایک روز ہمیں بھی اس آخری نیند سونا ہے۔ وُہ وقت قریب ہو کہ جب ہمارا بھی یہی حال ہوگا اور ہماری آئندہ نسلیں اور اُن کے ڈھور ڈنگر اسی طرح ہم کو بھی پامال کرتے ہُوئے چلینگے۔ مگر دُنیا کے دھندوں اور مصروفیت میں کس کو ان باتوں کا خیال ہے۔ کسی شاہزادی کے مزار پر لکھا ہے ؎

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا　　　کہ قبر پوشِ غریباں ہمیں گیاہ بس است

ان غریبوں کی قبروں پر بارش ہوتی ہے تو گھاس بھی اُگتی ہے تو مویشی زمین سے سر نکالنے ہی جڑ سے اُکھیڑ لیتے ہیں۔ پاؤں میں روند روند کر ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ یا دھوپ جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اپنے کُلبۂ احزان کے جھروکے میں بیٹھتا ہُوں تو یہ قبرستان اکثر ارادۃً یا بے ارادہ میری نظروں میں رہتا ہے۔ بعض اوقات اس کو دیکھ کر عجیب عجیب خیالات کا ہجوم میرے دل پر ہوتا ہے۔ ایک روز شام کا وقت تھا۔ مَیں اپنے روزانہ کاروبار سے فارغ ہو کر مکان کی دوسری منزل پر چارپائی پر لیٹا خواب بیداری کے عالم میں اس گورستان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آسمان صاف اور روشن تھا۔ پرندے امن چین سے اپنے نشیمنوں میں رات کے لئے جگہ بنا چکے تھے۔ چاندنی خوب نکھری ہُوئی تھی۔ ستارے آسمان کے مختلف حصّوں پر کم و بیش روشنی سے چمک رہے تھے۔ کیونکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند کی پر زور شعاعیں اُن کا رنگ جمنے نہیں دیتیں۔ ہوا بند تھی۔ ایک سناٹے کا عالم تھا۔ اور جھینگر کے صدائے بے ہنگام کے سوا اَور کوئی آواز اس عالمگیر خاموشی میں خلل انداز نہ ہوتی تھی۔ اتنے میں جانب مغرب فاصلے پہ بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اور اس کے ساتھ ہی رعد نے اپنا توپ خانہ میدان میں لا تیار کیا۔ چشم زدن میں بادل بڑھتے بڑھتے سر پر آگیا۔ ہوا زور زور سے چلنے لگی اور مینہ موسلا دھار پڑنا شروع ہوا۔ چاند کی روشنی میں قبرستان کے بعض حصّے جو بہ سبب بلندی پر واقع ہونیکے دکھائی دیتے تھے یا شکستہ تعویذ اور سنگِ بالین اور لوحِ تربت اور ٹوٹے پھوٹے اور مسّے ہُوئے

ڈھیروں۔ کے نشان سب کے سب ایک تاریکی کی چادر میں چھپ گئے۔ ایک طرف گھنے درختوں کا جھنڈ جس میں ابھی چند منٹ ہوئے چاندنی کی شعاعیں چھن چھن کر زمین پر دھوپ چھاؤں کا عالم کر رہی تھیں۔ اور جن کی شاخوں میں کرمکِ شب تاب اپنے ننھے ننھے چراغوں سے چراغاں کر رہے تھے اس وقت مہیب پہاڑ سے مشابہ تھا۔ جس میں سے طرح طرح کی ہولناک صدائیں آ رہی تھیں جن کو سُنکر دِل سہما جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ کی تمام روحیں رخصت حاصل کر کے ہواؤں میں سرائت کر گئی ہیں۔ اور آسمان کو سر پہ اُٹھا رکھا ہے۔ ساون بھادوں کے دن تھے۔ گرمی اور تپش۔ مکھیوں اور مچھروں کا زور تھا اور پسّو اور کھٹمل کی کثرت سے ناک میں دم تھا۔ کہ سرد ہوا کے جھونکوں سے یکایک ایسی جان میں جان پڑنی شروع ہوئی۔ اور جسم و روح میں ایک قسم کی ایسی راحت اور آرام محسوس ہونے لگا کہ بجلی کی چمک اور رعد کی کڑک تک لوری کا کام دینے لگیں۔

خدا معلوم اس حالت میں کتنی مدت پڑا رہا۔ کہ یکایک کیا دیکھتا ہوں۔ بارش تھم چکی ہے مگر چھتوں اور درختوں سے ٹپ ٹپ پانی گر رہا ہے کہیں کہیں سے بادل بھی پھٹ چکا ہے۔ جس میں سے ستارے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں۔ چاند غروب ہو چکا ہے مگر دھندلی سی روشنی باقی ہے جس سے اِردگرد کی اشیاء بخوبی دکھائی دیتی ہیں۔ اتنے میں ایک مہیب توپوں کی گونج سنائی دی اور خوفناک زلزلہ محسوس ہوا۔ مَیں اس پریشانی میں اُٹھ کر بھاگا۔ اور جان بچانے کی کوشش میں مکان سے نکل کر میدان میں پہنچا۔ زلزلہ کے صدمے سے زمین جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ اتنے میں پھر زلزلہ محسوس ہوا اور اس پر پھر توپوں کی اس قدر خوفناک گرج سُنائی دی کہ مَیں نے خوف کے مارے کانوں اور آنکھوں میں انگلیاں ٹھونس لیں پھر کیا دیکھتا ہوں کہ شگافوں میں سے ہزارہا مُردے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور نکلتے چلے آتے ہیں اور ایک خاص سمت کی طرف رُخ کئے چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض بالکل ہڈیوں کے

ڈھلکے ہیں۔ بعض سر سے پاؤں تک کفن پوش۔ اور ان کی شکل تک دکھائی نہیں دیتی۔ بعض کے کفن مٹی نے کھالئے ہیں۔ مگر گوشت سلامت ہے۔ بعض کا کچھ گوشت گر چکا ہے مگر کچھ کچھ باقی ہے۔ غرض سب کے سب کچھ ایسی ہیئت کذائی میں ہیں کہ دیکھ کر بے اختیار ڈر معلوم ہوتا ہے۔ قبروں کے مُنہ کھلتے جاتے ہیں۔ تعویذ خود بخود سرکے جاتے ہیں۔ اور ہزار در ہزار مردے زمین سے نکلے چلے آتے ہیں۔ یہ بھیانک اور ہولناک نظارہ دیکھ کر قریب تھا کہ میں غش کھا جاتا۔ مگر مارے بیم وہراس کے شاید غشی کرنے کی طاقت بھی سلب ہو چکی تھی۔ اس وقت میں سمجھا کہ شاید قیامت آگئی۔ کہ مُردے اپنی قبروں سے نکل نکل کر پریشان حال پھر رہے ہیں۔ اس خیال سے دل ہی دل میں سہما جاتا تھا اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے شرمندہ ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ افسوس ہو وقت طلبی کا پیام آپہنچا۔ بیشمار توبہ اور استغفار اور دُعاؤں کے کلمے جو بچپن میں والدین نے نوک زبان کرائے تھے۔ ان کے ٹوٹے پھوٹے فقرے جہاں جہاں سے یاد آتے جاتے تھے دُہراتا تھا اور تعجب کرتا جاتا تھا کہ کیا واقعی اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ آے کاش مجھے اور چند روز مُہلت دیجاتی تو میں اپنے گذشتہ اعمال سے کم ازکم جی کھول کر توبہ کر لیتا۔ مگر اُس وقت ہاتھ پاؤں پر کچھ بس نہ تھا۔ انکو کوئی ایسی طاقت اس وقت اس طرف کھینچے لئے جاتی تھی جدھر تمام مخلوقِ خدا کا رُخ تھا کہ جس کی کوئی روک تھام نہ تھی ؎

جہازِ عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

اب میرے دل کو پُورا یقین ہوتا جاتا تھا کہ یہی روز جزا ہے اور اس سے اَور بھی میرے دل پر رُعب وہراس طاری ہوتا جاتا تھا۔ ہے ہے میرے تمام زندگی بھر کی اُمیدوں اور ارمانوں کا اس قدر جلد خاتمہ ہو گیا۔ پھر ان خیالات متوحش سے طبیعت کو روک کر اور دُنیا اور مافیہا کی اُلفت سے گویا مُنہہ موڑ کر دعاؤں کے شکستہ جُملے زیادہ جوش وخروش سے دُہراتا تھا۔ اور

اسی طرح اپنے کمزور دل کو تسلی دیتا تھا کہ بخشے یا نہ بخشے مگر اس کی حضور میں بندوں کی طرح ساعی
بنا ہو کر رہنا چاہیئے۔ اس وقت نظر اٹھا کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چار پانچ مردوں کی ایک مختصر سی
جماعت میرے گرد و پیش چل رہی ہے۔ اور وہ آپس میں آہستہ آہستہ کچھ کچھ باتیں بھی کرتے جاتے
ہیں۔ انکی شکل وصورت دیکھ کر میرے حواس باختہ ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک نہایت ہی
سالخوردہ مُردہ معلوم ہوتا تھا۔ بالکل مُشتِ استخوان تھا۔ اور نیچے کے جبڑے کی ہڈی بالکل نہ
تھی۔ دانت نکلے ہوئے تھے اور عجب ڈراؤنی شکل تھی۔ بدن پر گوشت اور کفن کا نشان تک
نہ تھا۔ دُوسرا شخص قدرے لنگڑا کر چلتا تھا۔ اس کا کفن بعض بعض مقامات سے ابھی سلامت
تھا مگر اکثر حصے ایسے بوسیدہ ہو گئے تھے کہ چلنے کی حرکت سے بھی خود بخود زمین پر گرتے
جاتے تھے اور وہ ان رہے سہے ٹکڑوں کو بڑی کوشش سے اپنے اِرد گرد لپیٹتا اور سمبھالتا
جاتا تھا گویا اپنی پردہ دری نہیں ہونی دینا چاہتا۔ مگر افسوس اس کوشش میں جس قدر زیادہ
ساعی ہوتا تھا اسی قدر زیادہ ناکام ہوتا تھا۔ اپنی شکستہ ٹانگ جو کسی وجہ سے جسم سے جُدا
ہو کر پڑی تھی۔ ایک ہاتھ میں لئے ہوئے تھا جسکو ٹیک ٹیک کر قدم اُٹھاتا تھا۔ ایک اور مُردہ تھا جس کا
گوشت اکثر مقامات سے کیڑوں مکوڑوں اور زمین نے کھالیا تھا اور بدن میں جا بجا گڑھے پڑے
ہوئے صاف دکھائی دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسکو اپنے خواب گاہِ لحد میں قیام کئے بہت
بڑا عرصہ نہ گذرا تھا ورنہ تمام بدن کا گوشت پوست جھڑ گیا ہوتا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مٹی کا گھڑا
اور دُوسرے میں قبر کی چند لکڑیاں تھیں جو اُس نے قبر سے نکلتے وقت خدا جانے کس مطلب کے
لئے اُٹھائی تھیں۔ علاوہ ازیں ایک شخص کے سر پہ پتھر کا بڑا بھاری تعویذ گور تھا جس پر موٹے
موٹے حروف میں کچھ لکھا دکھائی دیتا تھا۔ مگر مرورِ زمانہ سے الفاظ ایسے مٹ مٹا گئے تھے
کہ کچھ پڑھا نہیں جاتا تھا۔ یہ اس کی قبر کا تعویذ تھا۔ اور یہ بیچارہ اس کے بوجھ کے تلے دبا
جاتا تھا۔ اور بہ دقّت دوسرے ہمراہیوں کے برابر قدم اٹھا سکتا تھا اسی طرح کی مختلف شکلوں اور

صورتوں میں جہاںتک نگاہ کام کرتی تھی خلقِ خدا آئی ہوئی نظر آتی تھی۔ جس کا پورا بیان طاقتِ تحریر سے باہر ہے۔

میں ان رہ نوردوں کے ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا۔ اوّل اوّل تو ان کی باتیں بہ مشکل میری سمجھ میں آتی تھیں مگر جوں جوں آواز صاف ہوتی گئی باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔ بڑے میاں جن کا نیچے کا جبڑا اندر دھنسا۔ اپنے ساتھ والوں سے اس طرح مخاطب تھے۔ بھائی قبر کی زندگی بھی عجب زندگی ہے۔ مجھے اس نیند سوئے صدیاں ہی ہوگئی ہونگی۔ مگر اس عرصے میں ایک لحظہ بھر بھی تو حشرات الارض نے دم نہیں لینے دیا۔ ایک وُہ زمانہ تھا کہ فرشِ دیبا میں بھی سلوٹ رہ جاتی تھی تو طبیعت بے چین ہو جاتی تھی۔ ہر موسم میں نئے لباس نئے مقام۔ نئے انتظام۔ کہیں گرد کا نشان نہ ہو۔ مکھی پسّو کا نام نہ ہو۔ جب سے یہ منزل تاریک نصیب ہوئی ہے۔ سانپ اور بچھو کے سوا کوئی ہمنشین نہیں۔ سُورج کی کرن اور صاف ہوا کے جھونکے تک کو دل ترس گیا ہے۔ آہا! کبھی وُہ زمانہ تھا کہ میرا بچپن تھا اور میں اسی میدان میں کھیلا کرتا تھا۔ پھر جوان ہوا شیخ بنا اور پھر مر گیا۔ اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس خوابِ آخریں میں آ لیٹا۔ تمام خویش و اقارب۔ احباب اور رفیق دو دو آنسو بہا کر صد ہا من مٹی کے تلے دبا کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔ اور اسوقت سے ابتک پھر بھی کسی نے اُدھر کا رُخ نہیں کیا۔

ما زیاراں چشمِ یاری داشتیم　　خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

ابتو دُنیا ہی بدل گئی۔ زمانہ ہی پلٹ گیا۔ دیکھو یہ میدان یہ شہر یہ محلات یہ گلی کوچے کس قدر تبدیل ہو گئے۔ رستہ بھی نہیں ملتا۔ میرے احباب اعزا و اقربا نہیں تو اُن کی اولاد بھی موجود ہیں۔ مگر اُن کے نزدیک میرا ہست و نیست برابر ہے۔ دُنیا انقلاب کا گھر ہے۔ آئے دن اس قدر تغیّر و تبدّل ہوتا رہتا ہے کہ چند سال کی غیر حاضری میں

وطن کی سی پیاری چیز بھی غیر مانوس سی نظر آنے لگتی ہے۔ ~

کہاں کا اُنس اور کِس کی اُلفت وطن کو چھوٹے ہوئی ہے مدت
کسی کسی کی ہے یاد صورت خیال کچھ کچھ کہیں کہیں کا

اس پیر مرد کی تقریر نے جو ذرا طول پکڑنا شروع کیا۔ تو وہ شخص جس کے ہاتھ میں ٹانگ کی ہڈی تھی ذرا آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ بڑے میاں کیا کہتے ہو۔ دُنیا کی زندگی تو جوں توں کاٹی۔ مگر اس حیات بعد الموت نے تو ناک ہی میں دم کر دیا ہے۔ یا تو ہم سچ مچ ہی مُردے ہوتے جیسے لوگوں کا خیال ہے تو بھی کچھ بات تھی مگر ستم تو یہ ہے کہ ادراک قائم اور احساس ویسا ہی بجا ہے اور تکلیفات اُن سے دہ چند اور لُطف یہ ہے کہ جلبِ منفعت اور دفعِ مضرّت کی طاقت سلب ہو چکی ہے جس سے نہ ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہ مکھّی اُڑانے کی طاقت۔ یہاں تو درحقیقت ہماری مٹی ہی خراب ہو گئی ہے۔ زندگی کے دن تو جس طرح بن پڑا کاٹ گذرے تھے۔ اب یہ عالم ہے کہ بارش سے قبر کی تمام مٹی بہ گئی ہے اور اس میں جا بجا گڑھے پڑ گئے ہیں۔ بھیڑ بکری اور دیگر مویشی چرنے چُگنے آتے ہیں تو اکثر کے پیر ان گڑھوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور کچھ نہ پُوچھو جو تکلیف نہ مجھے ہوتی ہے۔ کم بختوں نے میری ہڈیاں پسلیاں چُور کر دی ہیں ایک روز ایک بیل کا کھُر میری ٹانگ پر پڑا تو ٹانگ ہی ٹوٹ گئی۔ اور یہ ہڈی جو میرے ہاتھ میں ہے اسی کی نشانی ہے۔ میرے پس ماندگان کو خدا نے اتنی توفیق بھی نہیں دی۔ کہ کبھی سال میں ہی ایک دفعہ میری قبر دیکھ جایا کریں۔ شکست وریخت کی مرمت کرا دیں۔ یا لیپ ہی جایا کریں۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دو گھڑے پانی ہی سال کے سال ڈال جایا کریں کہ اُن کی طرف سے میرا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ ~

ہندوان مے کنند کارِ ثواب مردہ را مے دہند ہر دم آب

اَے لپر تو عجب سُلمانی — زندہ جاں را ز آب ترسانی

یہ مردِ خدا ابھی اپنی رام کہانی ختم کرنے نہ پایا تھا کہ وہ شخص جس کے سر پہ بوجھل تعویذ تربت تھا۔ بول اُٹھا۔ مُردے آدمی یہ تعویذ جو تم میرے سر پر دیکھ رہے ہو۔ میرے آخری گھر یعنے گور کی نشانی ہے۔ یہ شخص کانپتا جاتا تھا اور مشکل سے آواز اس کے مُنہہ سے نکلتی تھی۔ یہی ہے میری یادگار اور ان لوگوں کی یاد کی آخری نشانی جن کا کم و بیش تعلق میرے ساتھ دُنیا میں تھا۔ میرے ہاں خدا کے فضل سے کسی بات کی کمی نہ تھی۔ دھن دولت اولاد مال سبھی کچھ موجود تھا۔ اس کے علاوہ خدا نے عزت دی تھی اور تمام خاندان علم کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ ہمارے اقربا میں اب بھی بڑے بڑے ذی رُتبہ لوگ ہیں۔ خود میری اولاد میں کئی نوجوان ولایت سے پاس کر کے آئے ہیں۔ کچھ جاپان میں مختلف فنون میں کاملیت پیدا کرنے گئے ہیں۔ ایک شاخ ہمارے خاندان کی چین میں تجارت کرتی ہے۔ یہ لوگ اتنا خیال نہیں کرتے کہ ہمارا کوئی باپ یا چچا بھی تھا جس کی کمائی سے یہ دولت اور عزت ہمیں نصیب ہوئی ہے اور ان سب سے بڑھ کر علم ملا ہے۔ نہیں تو انہیں کے دُوسرے بھائی نان شبینہ کو محتاج ہیں یا مزدوری سے بُری بھلی طرح اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ مگر آجکل علم کی بھی کچھ نہ پُوچھو العلم حجاب الاکبر کے معنے ابھی میری ناقص سمجھ میں آئے ہیں۔ ان میں سے ایک کے خیالات تو دہریت کی طرف مائل ہیں اور اس کا بچپن سے ارادہ رہا ہے کہ مطبع جاری کروں اور اخبار نکال کر ملک میں آزادی کے خیالات پھیلاؤں۔ خدا اُسے اپنے ارادوں میں کامیاب کرے۔ مگر مجھے اس پر چنداں افسوس نہیں ہے کیونکہ اس کے نزدیک میرا ہونا نہ ہونا۔ جینا اور مرنا سب برابر ہے۔ مگر دوسرا جو اپنے آپ کو مولوی کے معزز خطاب سے ملقب کرنا فخر سمجھتا ہے۔ اس کا بھی یہ حال ہے کہ اپنے کاروبار میں مگن ہے اور کبھی بھولے سے بھی ادھر نہیں آنکلتا۔ یہ پتھر جو انہوں نے میری قبر پہ لگا دیا ہے شب و روز اس کے بوجھ تلے دبا رہتا ہوں۔ دُھوپ سے اس قدر تپ جاتا ہے کہ

مٹی میں گوشت پوست اور استخوان تک گھسا جاتا ہے۔ سردیوں میں اتنا یخ ہوتا ہے کہ مغزِ استخوان جما جاتا ہے۔ بارش سے جو پانی اسپر جمع ہوجاتا ہے۔ دھوپ سے کھول جاتا ہے اور پرندے بھی اپنی چونچ اس میں تر نہیں کرتے کہ اسی بہانے ہیں۔ اُن کے پیارے۔ دل خوش کُن۔ سُریلے اور بے لوث آلاپ کو سُن سکوں۔ اس کے بجائے اگر کوئی سایہ دار درخت یا خود رو سبزہ یا نرگس، وسوسن ہی کا کوئی تختہ ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔ مگر ہمارے یہ نصیب کہاں۔ یہاں معاملہ ہی دِگرگوں ہے۔ میرے اولاد اور خاندان میں سے کسی کو یہ دھیان نہیں آتا کہ آخر ہم بھی تو بندے خدا کے ہیں اور ایک روز ہم پر بھی یہ اٹل وقت آنیوالا ہے۔ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا۔

سالہا بر تو بگذرد کہ گذر | نکنی سُوئے تُربتِ پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر | کہ ہماں چشم داری از پسرت

یہ کہکر بڈھا بیچارا ہانپنے لگا اور موقعہ پاکر وُہ شخص جس کے ہاتھ میں لکڑیاں تھیں۔ بولا کہ مجھے تو گھر بار چھوڑے ابھی بہت عرصہ نہیں ہوا ہے۔ تاہم میرے پس ماندگان کا یہ عالم ہے کہ کبھی بھُولے سے بھی میرا نام زبان پر نہیں لاتے۔ اگر اتفاق سے کسی ننھے بچے کی زبان سے میرا نام نکل جائے تو اسی وقت خاموش کر دیتے ہیں کہ بیٹا مُردوں کو اس وقت یاد نہیں کیا کرتے۔ اُن کی رُوح کانپتی ہے اور رات کو ڈر معلوم ہوتا ہے۔ انسانوں میں تو یہی ننھے بچے ہیں جو محبت کے قابل ہیں اور جن کے ساتھ پیار کرنے میں کچھ لطف ہو۔ باقی سب تو اپنے مطلب کے یار ہوتے ہیں۔ ان بچوں کی محبت آبِ حیات سے زیادہ صاف اور جان پرور ہے۔ سب آلایشوں سے صاف اور کل کدورتوں سے پاک۔ یہ لوگ چہ جائے کہ ادھر قدم رنجہ فرمائیں میری کمائی پر گلچھرے اڑاتے ہیں۔ میرے بنائے ہُوئے محلات میں عیش کرتے ہیں دو دو چار چار گھوڑے کی بگھی پر سوار ہوتے ہیں اور ہوا سے باتیں کرتے ہیں اور میرا یہ حال ہے کہ میرے ڈھیر کو کوئی پہچان بھی نہیں سکتا کہ یہ کس کی مٹی ہے۔ برف و باراں۔ گرمی سردی ہوا

غرض کسی بلا سے امان نہیں۔ اب یہ عالم ہے کہ ذراسی بارش سے گھنٹوں قبر ٹپکتی ہے۔ زمین پر دو گھنٹہ بارش ہو تو میری گور میں دن بھر ہوتی رہتی ہے۔ پانی جمع ہو کر سڑ جاتا ہے تو دُور دُور تک لوگ ناک پر رومال رکھ کر گذرتے ہیں۔ ؎

کیا کہوں کیسی پلید اپنی ہے مٹّی گور میں
ٹوٹی ہے چھت آتا ہے چھن چھن کے پانی گور میں

خدا کا شکر ہے کہ آخر اس نے ہماری مصیبتوں کی فریاد سُنی اور حکم دیا کہ عدم آباد میں جا کر آباد ہو۔ مَیں نے اپنی قبر کی نشانی یہ مٹّی کا گھڑا اور چند لکڑیاں اُٹھالی ہیں کہ ان لوگوں کی عنایت کی یادگار میرے پاس رہے۔ واقعی مُلکِ ہندوستان میں انسان کی قدر نہیں۔ اور اس لئے یہاں سے اب ہمارا کوچ ہی بہتر ہے۔ ؎

ہم ترے کُوچے سے اے یار چلے جاتے ہیں
لے چلے جاتے ہیں ناچار چلے جاتے ہیں

اتنے میں کیا دیکھتا ہُوں کہ ایک دریائے ناپید اکنار ہمارے سامنے ہے۔ اس کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی کشتیاں لگی ہیں۔ مخلوقِ خدا ایک سکتے کے عالم میں اس پر سوار ہو لیتی ہے اور سرزمین نامعلوم کی طرف روانہ ہوتی جاتی ہے۔ ہماری جماعت بھی یکے بعد دیگرے سوار ہولی۔ مگر تعویذ بردار جو شاید بہت تھک چکا تھا اور اُسے ہر چند منع بھی کیا گیا کہ پتھر کنارے پر چھوڑ دے مگر اُس نے نہ مانا۔ سوار ہونے لگا تو خدا جانے کس لئے کشتی اپنی جگہ سے سرک گئی یا اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اور وُہ پتّھر سمیت دریا میں گر پڑا۔ اس سے ہم میں اس قدر کھلبلی پڑی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں بھرّہپ کا بھّہپ رہ گیا۔ پھر میرے سامنے وہی ٹوٹا پھوٹا قبرستان تھا اور وُہی مُردے خوابِ عدم میں سوئے پڑے تھے۔ اگر وُہ اُن کا جاگنا سچ بھی تھا تو اب وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے :۔

شورے شد و از خوابِ عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقی است شبِ فتنہ غنودیم

صادق علیخان (از کشمیر)

ریویو

ارمانوسہ:- بالعموم تاریخی ناولوں کے لکھنے سے مصنف کا یا تو یہ مدعا ہوتا ہے کہ کسی دلچسپ تاریخی واقعہ کو لیکر اس سے اپنے افسانے کی رونق بڑھائے اور یا یہ کہ افسانے کے پردے میں تاریخ کا سبق پڑھائے۔ اگرچہ ہم اصولاً موخر الذکر علا کے خلاف ہیں لیکن کبھی کبھار کوئی ایسا ناول نظر سے گذر جاتا ہے جو ہر ایک اعتبار سے قابلِ قدر ہوتا ہے۔

ارمانوسہ (جسے مولوی محمد حلیم صاحب انصاری نے علامہ جرجی زیدان ایڈیٹر الھلال کی عربی تصنیف سے ترجمہ کیا ہے) اس قسم کا ناول ہے کہ اگر اسے مورخانہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو بھی بہت کچھ وقعت کا مستحق ہے۔ اس ناول سے مصر کے اس زمانے کی حالت پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ جب عمر بن العاص کی شجاع فوجوں نے اسے صلیب سے چھین کر ہلال کا مطیع کیا۔ اسوقت رومی حاکموں اور قبطی رعایا کے تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اسے لائق مصنف نے بخوبی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ناول ہر ایک حیثیت سے اعلیٰ پایہ کے ناولوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اکثر ابواب نہایت عمدہ اسلوب میں لکھے گئے ہیں اور مصنف نے رزم و بزم دونوں کی کیفیت دکھانے میں اپنی جامعیت کا ثبوت دیا ہے۔ اکثر اشخاص افسانہ دلچسپ ہیں۔ خود ناول کی ممدوحہ (ہیروئن) ارمانوسہ ایک نہایت دلفریب نازنین ہے۔ اور پڑھنے والے کی ہمدردی بالعموم ارمانوسہ اور اس کے عاشق ارکادیوس کے درمیان ہی منقسم ہو جاتی ہے۔ لیکن ارمانوسہ کی وفادار دایہ بربارہ بھی ہماری توجہ کی مستحق ہے۔ ایک اور امر جو اس ناول کے متعلق قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مصنف نے باوجود عیسائی ہونے کے عربوں کے حالات عموماً انصاف پسندی سے بیان کئے ہیں۔ اور ان کی شجاعت۔ عالی حوصلگی کی کافی داد دی ہے۔ اور لائق مترجم نے بھی نہایت فصیح اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ۔ جابجا موزوں اور باموقع اشعارِ اردو سے مزین کر دیا ہے۔ جس سے ناول کی دلچسپی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ حجم ۲۰×۲۶ تقطیع کے ۳۵۸ صفحے قیمت غیر مجلد ؏ **مینیجر اخبار وکیل امرتسر** سے طلب کیجئے +

فصیح الملک:- یہ ماہوار رسالہ نواب فصیح الملک مرزا **داغ** دہلوی مرحوم کے شاگرد رشید اور ہمارے کرمفرما جناب احسن مارہروی نے اپنے استاد مرحوم کی یادگار میں مئی گذشتہ سے جاری کیا ہے۔ یہ رسالہ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصے میں نثر کے مضامین جس میں عموماً علم ادب وغیرہ پر بحث ہوتی ہے۔ دوسرے میں غزلیات جو بالعموم استاد داغ مرحوم کے شاگردوں کی طبع رسا کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اور تیسرے حصے میں ایڈیٹر صاحب کی نہایت مفید تصنیف فصیح اللغات کے چند صفحات درج ہوتے ہیں۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ حجم بتیس ۳۲ صفحے قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک (؏) ملنے کا پتہ:- **ایڈیٹر فصیح الملک مزنگ - لاہور -**

راجپوتانہ کے سکّوں کی سبھا

مثل دیگر فصلی جلسوں کانفرنس کانگریس سبھا اور سماج وغیرہ کے جو آئے برس ہندوستان کے ہر گوشے میں ہوا کرتے ہیں امسال تیرتھ آج پوشکر میں سالانہ میلے کے موقع پر ایک سبھا راجپوتانہ کے سکوں کی بھی ہوئی تھی جس میں سب ریاستوں کے نئے پرانے سکّے آکر جمع ہوئے تھے۔

جے پور کا جھاڑشاہی سکّہ استقبالی کمیٹی کا پریزیڈنٹ تھا اس نے جلسے کے دن افتتاحی تقریر میں کہا کہ صاحبو آج اپنا یہ جلسہ ہندوستان میں غالباً بے نظیر ہوگا اس کی خاص غرض اپنے ہمجنسوں کی ترقی اور حفاظت سے ہے۔ پر ترقی تو کہاں حفاظت کی ہی سردست کوئی معقول تدبیر نکل سکے تو غنیمت ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ ہم نے پچھلے چند سالوں میں نقصان عظیم محسوس کیا ہے اور آئندہ کے لئے بھی خیر نہیں معلوم ہوتی اسی واسطے یہ جلسہ کیا گیا ہے اور ہمارا ایسا کرنا کوئی ناجائز فعل بھی نہیں ہے آج زیر سایہ انگریزی عملداری ہر ایک قوم اور ہر ایک پیشے کے اشخاص جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے لئے جابجا جلسے کرتے ہیں اپنی قوم۔ اپنے حاکموں اور اپنے حامیوں سے ہر قسم کی امداد اعانت اور حقوق کے مستدعی و ملتجی ہوتے ہیں پس اگر ہم بھی اپنی حالت درست کرنے کے لئے جمع ہو کر یہاں کوئی تدبیر سوچیں تو سوچ سکتے ہیں اس میں پس و پیش کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ ہم نے اوّل دن سے کچھ پروا اس آنے والی مصیبت کی نہیں کی جس کا آغاز پہلے ریاست الور سے ہوا تھا پھر بیکانیر میں ہو کر اور ریاستوں میں بھی اس کا اثر پہنچا اور پہنچ رہا ہے اور جس کا صریح نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج اس جلسے میں اپنے کئی بھائیوں کو معزول معطل اور مذبذب حالت میں دیکھ رہے ہیں اگر اس کی جلد کوئی مناسب و موزوں تدبیر اور پیش بندی نہ ہوئی تو ایک دن ہمارا بھی یہی حال ہونے والا ہے کہ مثل قالب بیجان کے ہو جائینگے بلکہ ڈھونڈھے بھی نہیں

ملینگے پُرانی چیزوں کے تلاش کرنے والے ہمارے واسطے بھی کونوں اور کھنڈروں کی خاک چھانتے پھرینگے۔

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں کہہ چکا اب آپ صاحب جو تکلیف گوارا کر کے دُور دُور سے تشریف لائے ہیں اپنا پریزیڈنٹ منتخب کریں تاکہ اس کی صدارت میں کارروائی جلسے کی شروع کیجاتے۔

جیسلمیر کے اکھے شاہی[ا] نے یہ سُنکر بہت سنجیدگی اور سلاست بیانی سے کہا کہ پریزیڈنٹ وہی موزوں ہوتا ہے جو سالخوردہ اور تجربہ کار بزرگوار ہو اور کچھ ذاتی اثر اور اعزاز بھی قوم کی سرپرستی اور سرغنائی کا رکھتا ہو میں یہ اوصاف بھیلواڑہ کے شاہ عالم شاہی سکہ میں دیکھتا ہوں اور انہیں کے واسطے پریزیڈنٹی کی سفارش کرتا ہوں اگر آج موقعہ پر ہم اپنے بزرگوں کی قدر نہ کرینگے اور لونڈوں سے کام لینگے تو اپنے زمانے کے تعلیم یافتہ حضرات کی طرح عوام میں کپوت کہلائینگے۔

جودھپور کے نبجے شاہی[۲] اور اودےپور کے چتوڑی[۳] نے اس تجویز کی تائید کر کے کہا کہ بیشک یہ حضرت اپنی قدامت شرافت اور وجاہت کی وجہ سے اسی اعزاز اور اکرام کے مستحق ہیں انہیں کو صدر نشین کیا جائے۔

اسکی تائید مزید بوندی کے رام شاہی اور ٹونک کے چیتور شاہی[۴] نے بھی کی اور حضرت شاہ عالم شاہی سے پریزیڈنٹی قبول کرنے کے واسطے بادب تمام التماس کیا گیا وہ بہت کہتے رہے کہ مجھ پیر فرتوت کو معاف رکھو اور چند روز اور جُوں تُوں جینے دو آپ تو مجھ کو دیرینہ سرپرست سمجھکر یہ عنایت اور مہربانی کرتے ہیں مگر مجھے خوف ہے کہ جس طرح کالوں کی مہربانی سے میرے بادشاہ کے پوتے بہادر شاہ کا بڑا پا بگڑا ایسے ہی کہیں میرا بھی نہ بگڑے جس کا سامان پہلے سے ہو ہی رہا ہے صرف بہانہ ملنے کی دیر ہے سو یہ بہانہ بآسانی مل جائیگا اور میرا خاتمہ بالخیر ہو جائیگا مگر تائید کرنے والوں نے کچھ نہیں سُنا اور کہا کہ ہم کالے یعنی باغی نہیں ہیں آپ کچھ خوف

[ا] اکھے شاہی ۱۲ [۲] نبجے شاہی ۱۲ [۳] چتوڑی ۱۲ [۴] چیتور شاہی ۱۲

نہ کریں اور کھینچ تان کر بیچارے کو جبراً پریزیڈنٹی کی کرسی پر بٹھا ہی دیا۔

حضرت شاہ عالم شاہی جب اپنی قومی صدارت کی کرسی پر بیٹھے تو گویا باسی کڑھی میں اُبال آگیا۔ چہرے کی افسردگی جاتی رہی آنکھوں میں روشنی آگئی اور دُور کی سُوجھنے لگی۔ پھر تو آپ نے ممبرانِ جلسہ کا شکریہ اپنے انتخاب پریزیڈنٹی پر ادا کر کے فرمایا کہ صاحبو! میں ایک پُرانے زمانے کا شخص ہوں اور میرے خیالات بھی پُرانے ہی ہیں اور جو کچھ میں کہونگا وہ پُرانی رام کہانی ہوگی جسکو سنکر اس زمانے کے نئے خیالات والے ہنسیں گے اور کہیں گے کہ جیسا بڈھا خرانٹ تھا ویسی ہی دقیانوسی باتیں بھی منہ سے نکالیں۔ یہ وقت پُرانے زمانے کی بات کہنے اور سننے کا نہیں ہے۔

اب تو وہ حال ہو رہا ہے جسکی تصویر پہلے سے کسی روشن ضمیر شاعر نے اس شعر میں کھینچدی ہے ؎

دیر و حرم میں کوئی نہیں اپنی راہ پر ۔۔۔ ہندو نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے

خیر کچھ ہو مجھکو تو کہنا ہی پڑیگا کیونکہ آپ صاحبوں نے بٹھایا ہی ایسے اڈے پر ہے کہ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ سنو سنو ایک زمانہ ایسا تھا جس میں یہ ریاستیں جنکے ہم تم سکہ کہلاتے ہیں سکوں کے واسطے ترستی تھیں اور سلاطینِ وقت سے انکی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ سکہ سلطانی چلتا تھا اور ٹکسالیں بھی سلطانی تھیں جب سلطنت مغلیہ میں زوال آیا تو میرے بادشاہ کے وقت میں جب دینے کے واسطے کوئی منصب اور مرتبہ ہاتھ میں نہیں رہا بعض ریاستوں کو بہت سی منت خوشامد اور زرِ کثیر نذر کرنے پر یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی ریاست میں ٹکسال جاری کریں اور بادشاہی سکہ بنا کر فائدہ اٹھائیں ریاستوں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اس فیاض بادشاہ کی شکر گذاری بہت کچھ ممنونیت اور منت پذیری سے کی کہ جس نے اس گری ہوئی حالت میں بھی اپنے باپ دادوں کی طرح انکو کچھ دیا ہی تھا۔

پھر ایکدم سے سب ریاستوں میں ٹکسالیں کھل گئیں اور لاکھوں روپیوں کا فائدہ ہونے لگا۔ سکہ تو سب کا وہی شاہ عالم بادشاہ کے نام کا تھا مگر ریاستوں نے تمیز کے واسطے اپنے اپنے سکہ کے نام جدا جدا رکھ لیئے تھے جیسے جےپور کا جھاڑشاہی جودھپور کا بجے شاہی بیکانیر کا گج شاہی اور جیسلمیر کا اکھے شاہی وغیرہ وغیرہ کسی رئیس نے ادب یا احتیاط سے اپنا نام داخل نہیں کیا تھا بلکہ مہارانا صاحب اودیپور نے تو نام بھی وہی شاہ عالم شاہی رہنے دیا

تھا جس کا میں ایک نمونہ بہیئتِ کذائی آپ کے سامنے موجود ہوں۔

اُسوقت انگریزی سرکار کمپنی کی صورت میں تھی جب کمپنی نے یہ فیاضی اور مخیری میری اس لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے والے بادشاہ کی دیکھی تو اس نے بھی اپنے واسطے ایک علیحدہ ٹکسال کی درخواست کی وہاں کیا دیر تھی تھوڑی سی خوشامد اور نذر در کار تھی "پھر خدا دے اور بندہ لے"۔

کمپنی کو بھی اُسی شرط پر کہ بادشاہ کا نام قائم رکھے اپنی ٹکسال جاری کرنے کا حکم ہو گیا جس نے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھایا کیونکہ آخر تو تجارت پیشہ تھی روپیہ میں چاندی تھوڑی اور کھوٹ بہت رکھا جو آج بھی کلدار میں دیکھا جاتا ہے۔ کمپنی کا روپیہ بھی شاہ عالم شاہی تھا اور اس پر یہ شعر ڈھالا جاتا تھا۔ ؎

سکّہ زد بر ہفت کشور سایۂ فضلِ الٰہ　　　حامیِ دینِ محمدؐ شاہ عالم بادشاہ

ایک مدّت کے بعد جو انگریزوں نے میرے بادشاہ کو کم نصیب و بیکس پوتے ابوظفر بہادر شاہ کو ہندوستان سے جلاوطن کیا اسکے اور اس کے بزرگوں کا نام مٹا دینے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ بنظرِ مصلحت و مقتضائے تالیفِ قلوب رئیسوں کو اختیار دیدیا کہ اگلا سکہ گا کر جدید سکّہ میں ملکہ معظّمہ انگلستان کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی مسکوک کر لیں اس عارضی حکم سے رئیس لوگ اس قدر پھولے کہ جامہ سے باہر ہو گئے اور انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ آج ہم بھی انگریزوں کی بدولت صاحبِ سکّہ ہو گئے اور ۲۰ پشتوں میں جو بات ہمارے کسی دادا پردادا کو حاصل نہ ہوئی تھی وہ ہم کو بآسانی گھر بیٹھے ہو گئی۔

از بخت شکر دارم و از روزگار ہم

پھر تو نام کے ساتھ اُنہوں نے بڑے بڑے خطاب بھی اپنے سکّے میں لگانے شروع کئے اور تو کیا شعر اور سجع بھی روپیا اور اشرفیوں پر ٹھونسے جانے لگے جنکے دو ایک نمونہ بھی سُن لیجئے۔

بعہدِ کوئین شاہ ہند و فرنگ　　　زر و سیم را سکّہ زد تخت سنگ

مبارک سکہ زد از فضلِ یزداں　　　رئیسِ ٹونک ابراہیم علی خاں

مگر خدا جنت نصیب کرے۔ ہمارا نامراد سکّہ کو وہ دانشمندی اور عاقبت اندیشی سے چنداں شیخی میں نہیں آئے اور سمجھے بھی اُنسے کہا کہ یہ حکم ایک بڑی گہری پالیسی کی خبر دیتا ہے جسکا نتیجہ پھر کبھی آیندہ نسلوں میں ظاہر ہوگا پر بطور خلاصہ ابھی سے

کہے دیتا ہوں سُن لیجیو اور سمجھ رکھئے کہ جب بندہ پشتوں کا چلا ہوا نام میرے بادشاہوں کا ہی نہیں رہا تو آپ کا یہ عارضی نام سکہ میں کون رہنے دیگا آخر ایکدن گڑ آمدی کے پیر شدی کا مقولہ اور اس مصرع کا مضمون صحیح ہو کر رہیگا

ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

مہارانا میری بات مان گئے اور اُنہوں نے جدید سکہ تو چلایا مگر اُس میں نہ اپنا نام ضرب کیا اور نہ ملکہ کا صرف دستی لندن کے الفاظ درج کر دئیے بس اس میں سب کچھ آگیا اور عجب یہ ہی کہ مجھ کم نصیب کو بھی بجائے خود بحال رکھا اور اسی سبب سے میں آج گرتا پڑتا اور اپنے بادشاہ کے مورث اعلیٰ تیمور لنگ کیطرح لنگڑاتا ہوا یہاں تک پہنچا اور آپکے کہنے سے اس مصنوعی تخت یعنی اونچی جگہ پر بیٹھا جو کسی طرح میرے حق میں سُولی سے کم نہیں ہی مگر خیر وہی مثل ہی ؎

ان نینوں کا یہی بسیکھ — وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

یہ تو پرانا رونا ہوا اب آیندہ کیا ہونا چاہئے سو آپ جانتے ہی ہو اور اس کا علاج بھی کیا ہی جبکہ یہی رئیس لوگ خود اپنے سکوں کو ردی کرتے ہیں اور اپنا نام آپ مٹاتے ہیں تو پھر کوئی کیا کر سکتا ہی۔ مارواڑی مثل ہی۔ جبکہ دُولہ کے مُنہ سے ہی لال گرے تو براتی بیچارے کیا کریں۔

ہندو لوگ کہتے ہیں کہ دھرم پانگلا یعنی لنگڑا ہی چلائے سے چلتا ہی میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سکہ بھی لنگڑا اور لولا ہی اسکو بھی کوئی چلانیوالا چاہئے تم جنکے ناموں سے چلتے ہو اور جو تمہارے چلانے اور تم سے فائدہ اُٹھانیوالے ہیں وُہی کچھ ہمت کریں تو تمہارے بقا کی کچھ صورت نکل سکتی ہی ورنہ وُہی حال ہونیوالا ہی جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہی۔

دِل کا جانا ٹھہر ا ہے بس صبح گیا یا شام گیا

اور دیکھو مجھے تو کچھ افسوس اپنا نہیں ہی کیونکہ میں خود گیا گذرا ہوں آج مرا کل دوسرا دن مگر جو رنج و صدمہ میرے دلپر تمہاری وفات کا ہی وہ بیشک بہت سخت ہی سے

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست — این واقعہ سخت است کہ گویند جوان مُرد

میرے چلانیوالوں کا نشان تک نہیں رہا اور پھر بھی میں اتنے دن چلا اور چل رہا ہوں اسپر خود مجھ کو تعجب ہے بھلا جب میرے بادشاہ کی بادشاہی نہیں رہی تو میں کیسے چل سکتا تھا کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا اسکا تعجب کیا یہ تو تعجب سے بھی کوئی عجیب بات ہی اسکو اگر کرامات کہیں تو کہہ سکتے ہیں بھلا جس بادشاہ کا راج جاتا رہا حکم جاتا رہا تاج جاتا رہا اور تخت جاتا رہا یہ آج بھی

اُس کا سکہ چل رہا ہے یہ خوش نصیبی تو تیمور کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی جو ایران توران عرب شام روم روس اور ہندوستان کا فاتح تھا واہ شاہ عالم واہ تُو تو کوئی قسمت کا ولی ہی تھا۔ کہ آج تو نہیں ہے اور تیرا شاہ عالم شاہی سکہ راجپوتانہ اور مالوہ وغیرہ ملکوں میں چل رہا ہے۔ یہ خوش نصیبی تمام دنیا میں غالباً کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے بھی حصے میں نہیں آئی جو مبدء فیض سے تجھ کو عطا ہوئی کہ مرنے سے سو برس بعد تک تیرے نام کا سکہ اسی طرح چل رہا ہے جیسا تیری زندگی میں چلتا تھا کیا ہوا اگر مرہٹوں اور انگریزوں نے تیری سلطنت لے لی مگر تیری اس خوش نصیبی کو تو کوئی بھی فتح نہ کر سکا۔

بھائیو! میں تو مُردہ ہو کر بھی اب تک زندہ ہوں مگر تم میں سے بعض اب تک زندہ رہ کر بھی مر چکے ہیں اور بعض زندہ گور ہو رہے ہیں پھر اسی پر اور باتوں کا بھی قیاس کر لو میں اگر اپنے بادشاہوں کا مرثیہ پڑھوں رو کر اپنے دل کا بخار نکالوں اور جب اپنے بادشاہ کی یاد آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر صبر کر لوں تو کر سکتا ہوں مگر تم کیسے صبر کر سکتے ہو۔ تمہاری تو وہی حالت ہے کہ ہنوز چشمش نگران است و دلکش سوگراں است۔

تم کہتے تو ہو کہ یہ کرو وہ کرو مگر کریں کیا جب تم خود بے دست و پا ہو اور بغیر دوسروں کے چلائے نہیں چل سکتے بھلا کبھی اپنے چلانے والوں سے بھی کچھ کہا سنا ہے اور ان کا منشا کیا ہے وہ تو مجھ سے کہو تاکہ میں سمجھوں کہ کہاں تک تمہارا بیچا بھلا ہے یہ سن کر کئی سکے سُن ہو گئے کئی منہ چھپانے لگے اور کئی باہم سرگوشیاں کرنے لگے آخر جھاڑ شاہی نے کہا صاحب ہم میں سے بعض نے اپنے مالکوں سے کچھ کانا پھوسی کی تو ہے مگر کوئی ٹھیک منشا معلوم نہ ہوا کیونکہ آج کل ریاستوں کی حالت میں بہت کچھ تذبذب ہے۔ تاہم جو کوئی مناسب و موزوں بات کانفرنس میں قرار پائے گی وہ ریاستوں سے باضابطہ عرض کر دی جائے گی آئندہ سننا نہ سننا اُن کے اختیار میں ہے۔

یہ سن کر بجر شاہی نے کہا کہ اگر نہ سنیں گے تو اپنا نام اپنے ہاتھ سے مٹائیں گے زیادہ کیا کہوں میں خود ثبوت مجسم ہوں رویش بہ بیں حالش مپرس۔

چھوڑ شاہی نے افسوس کر کے کہا کہ یہ مہاراجہ صاحب بہادر جودھ پور نے کیا کیا اُن سے تو الور اور بیکانیر کے رئیس ہی اچھے رہے کہ اُنہوں نے اپنی ریاست میں اگرچہ کلدار چلایا مگر اپنا نام تو نہیں گنوایا بلکہ اپنا اور اپنی ریاست کا نام کلدار میں بھی درج کرا دیا وہی اب انگریزی عملداری میں بھی چلتا ہے گو ٹکسال جاتی رہی مگر نام تو نہ گیا اگرچہ اس وقت ایک طرف اپنی تصویر بھی چھپوا دیتے تو چھپ سکتی تھی

رام شاہی نے کہا کہ جب ٹکسال اُٹھ گئی اور سکہ کا فایدہ جاتا رہا تو نام اور تصویر کا ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ ٹکسال اور سکہ راج کے رُوپ اور خود مختاری کے نشان ہیں۔

ٹکے شاہی۔ حیف صد حیف جو وہ پور تو اس سے بھی محروم رہا جہانتک نام ہے سب کچھ ہے۔

جھاڑ شاہی۔ تو بنظرِ حالتِ موجودہ ہماری کانفرنس کی بنا اور غرض کے دو جزو اعظم ہونا چاہیے ایک تو یہ کہ جن بھائیوں کا رواج بند ہو گیا ہے یا آیندہ ہو انکو پھر بحال کرنا۔ دوم جنکا رواج ابھی تک ہے اُسکو بدستور قایم رکھنا۔

میرِ مجلس۔ ہاں یہ دونو باتیں ضروری ہیں مگر اول بات ذرا مشکل ہے کیونکہ جن ریئسوں نے اپنا سکہ بند کر کے گورنمنٹ کا سکہ جاری کیا ہے وہ ضرور گورنمنٹ سے کچھ عہد و پیمان کر چکے ہونگے پس اس کے خلاف کرنیکا نہ انکو اختیار ہے اور نہ حوصلہ۔ اُن سکوں کے لیے تو رعایا سے ہی کچھ انتظام ہو تو ہو سکتا ہے۔ بھلا اس رائے میں گورنمنٹ کی سکہ کی بھی تو کچھ رائے لیں دیکھیں وُہ کیا کہتی ہے۔

کیوں بھائی کلدار مہربانی سے ہمکو اس معاملے میں کچھ مدد اور مشورہ دو گے۔ آخر تم بھی تو ہماری اپنی جنس میں سے ہو۔

کلدار۔ (بعد ادائے شکریہ) صاحب میں تو آپکی کانفرنس کا ممبر نہیں۔ وزیٹر ہوں آپ نے مہربانی کر کے مجھ کو بھی بلایا میں آگیا اور آپکی زیارت سے مشرف ہوا مدد کا محتاج تو میں ہوں کیونکہ میں اکیلا ہوں اور آپ بہت ہیں۔ مگر جب مجھ کو مدد کی احتیاج تھی تو آپ صاحبوں میں سے کسی نے مجھ کو نہیں دی تھی بلکہ مجھے خوب یاد ہے کہ جگہ جگہ مجھ پر بٹہ لگتا تھا کلکتہ سے بمبئی تک جانے میں قدم قدم پر روکا جاتا تھا۔ جھاڑ شاہی کے پاس جاتا تو وہ اپنی برابر نہ سمجھکر آنہ دو آنہ میری قدر و قیمت میں سے کم کر دیتا تھا۔ ٹکے شاہی سے ملتا تھا تو وُہ پانچ چھ پیسے مجھ سے دھرا لیتا تھا مگر میں اسوقت سے ہمت نہ ہارا اور اپنی حالت درست کرتا رہا تو آج خدا نے یہ دن دکھایا کہ جو مجھ پر بٹہ لگاتے تھے اُنہیں پر سوایا ڈیوڑھا بٹہ لگنے لگا اگر تم بھی اپنی ہمت نہ ہاروگے اور کچھ نہ کچھ کئے جاؤ گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہی میرا مشورہ ہے کیونکہ میں جس سرکار کا سکہ ہوں وُہ جمہوری رائے کا البتہ کچھ خیال کرتی ہے بشرطیکہ وُہ باہمی اتفاق سے ہو۔ تم اگر پبلک میں کچھ ہمدردی پیدا کر سکتے ہو تو غالباً کلز میں بھی بچشمِ اعتبار دیکھے جاؤ گے۔ رہی مدد سو یہ میرے اختیار سے باہر ہے اور بالفرض اگر میں حسبِ مقدور خود کروں بھی تو وُہ میرا ہی نقصان ہے اور یہ زمانہ ایسی فیاضی اور خدا ترسی کا نہیں ہے کہ "مرا بگذار و دستِ یارِ من گیر" یا اہلِ دانش فایدہ غیر کے لئے اپنا نقصان گوارا کریں مگر باینہمہ بپاسِ ہمجنسی مجھ کو آپکے جلسے سے حقیقی ہمدردی ہے اور میں آپکی غمخواری اور غمگساری کے لئے بصدقِ دل موجود ہوں۔

میر مجلس - شاباش ہی بھائی تم نے ہم دبتوں کو اپنی نیک مشوری سے سہارا تو دیا تمہارا اتنا اشارہ ہی ہمارے لئے کافی مدد ہی - "ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند"۔

بعد اسکے پریزیڈنٹ نے ریزولیشن پاس کرنے کی اجازت دی اور جھار ٹشاہی نے یہ ریزولیوشن پیش کیا جسکی تائید الکھو شاہی نے اور تائید مزید جیونڑشاہی اور دی پوری نے کی پس باتفاق رائے منظور ہوا۔

ریزولیوشن نمبر (۱) - جن ریاستوں کے سکے بند ہوگئی ہیں انکی واسطے رئیسوں اور رعایا سی چاہا جائے کہ وہ انکی لین دین کا رواج شادی غمی کی نیوتوں انعام اکرام نذر نچھاور بھینٹ اور خیرات وغیرہ میں جاری کریں جس سی انکی ہستی قایم رہی معدوم نہ ہونے پائے اور یہ معاملات خانگی ہیں انہیں گورنمنٹ دست اندازی نہیں کر سکتی - رعایا کو اپنی بنج کے کاموں میں بجائے کلدار کے بجی شاہی گج شاہی وغیرہ کے دینے لینے کا اختیار ہی علاوہ اس کی اسمیں آسانی اور کفایت بھی متصور ہی کلدار بھی روپیہ ہی - بجی شاہی وغیرہ بھی روپیہ ہی نام تو روپیہ کا ہوگا چاہی کوئی سکہ ہو - دوسرا ریزولیوشن رام شاہی نے پیش کیا جیونڑشاہی نے تائید اور الکھو شاہی نے تائید مزید کی اور وہ بھی باتفاق رائے منظور ہوا۔

ریزولیوشن نمبر ۲ - جو سکے اسوقت جن جن ریاستوں میں جاری ہیں اُن سی چاہا جائی کہ جیسے انگریزی سرکار میں کلدار کے سوائے اور کسی سکہ کو جمع نہیں کرتے ہیں ویسے ہی وہ بھی دیسی سکے کے سوائے کسی اور سکہ کو جمع نہ کریں اگر کوئی کلدار بھی جمع کرانا چاہی تو کہدیں کہ اسکو بازار میں بیچکر دیسی روپیہ لے آئے اور خرچ بھی دیسی ہی روپیہ کریں اگر باہر بھیجنے کی ضرورت ہو تو اپنی سکے سی بموجب نرخ بازار کے اس جگہ کے سکے کی ہنڈی کرا دیں اگر اسمیں کچھ خسارہ بھی ہو تو گوارا کریں اسکا خمیازہ غیر سکے کے جمع خرچ نہیں کرنے سی نکل آئیگا اور اگر نکلی تو جہاں راج میں بہت سی فضول خرچ آئے دن پڑتی رہتی ہیں اسکو بھی اسی مد میں ڈالدیں بعض ریاستوں میں پس انداز کرنے کا بھی قاعدہ ہی وہاں اس صیغہ میں بھی اپنی ہی سکہ رکھیں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ وقت پر کھوٹا روپیہ اور کھوٹا بیٹا ہی کام آتا ہی۔

تیسرا ریزولیوشن جیونڑشاہی نے پیش کیا اسکی تائید جھار ٹشاہی نے اور تائید مزید بجی شاہی نے کی و باتفاق رائے منظور ہوا۔

ریزولیوشن نمبر ۳ - آیندہ سال یہی جلسہ اجمیر میں بموقع عرس خواجہ صاحب کے منعقد ہو اور ایک ایک نقل اس کارروائی کی ہندی اور اردو کی نامی اخبارات کو بھیجی جائے اور ایک ایک ہر ایک ریاست میں - بعدہ پریزیڈنٹ کے شکریہ کے ساتھ جلسہ برخاست ہوا ♦

بچّہ اور شمع

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلکِ پروانہ خو
شمع کے شعلے کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تو

یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنبش ہے کیا
روشنی سے کیا بغل گیری ہے تیرا مدعا!

اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے
یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے!

شمع اک شعلہ ہے لیکن تو سراپا نور ہے!
آہ! اس محفل میں یہ عریاں ہے تو مستور ہے

دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عریاں کیا
تجھ کو خاکِ تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا!

نور تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ آگہی!
ہے غبارِ دیدۂ بینا حجابِ آگہی!

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ!
خواب ہے غفلت ہے سرمستی ہے بے ہوشی ہے یہ!

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن!
دیکھتی ہے آنکھ ہر قطرے میں یاں طوفانِ حسن!

حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضو گستری شب کی سیہ پوشی میں ہے

آسمانِ صبح کی آئینہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت شفق کی گل فروشی میں ہے یہ

عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار میں

ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے

چشمۂ کہسار میں دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں صحرا میں ویرانے میں آبادی میں حسن!

روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس!

حُسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بے تاب ہے
زندگی اس کی مثالِ ماہیٔ بے آب ہے

اقبال

پدمنی کی چتا

اے اجل! ہے آہ! یہ کس سوختہ جاں کا مزار — اُٹھ رہا ہے جس سے اب تک دودِ آہِ شعلہ بار
اک نگارِ آتشیں رُخ کے تنِ نازک سے آہ! — آگ کے شعلے لپٹ کر ہو رہے ہیں ہمکنار
تو ہوئی ٹھنڈی نہ اُف رے آتشِ سوزِ دروں — ابرِ رحمت خاک پر برسوں رہا گو اشکبار
تیرے جھونکوں سے وہ آخر بجھ گئی بادِ نسیم — بیکسی میں آہ! اک دلسوز تھی شمعِ مزار
آرزوں کی چتائیں ہیں۔ تمنّاؤں کی خاک — دِل میں کیا رکھا ہے اب اے نالہائے شعلہ بار
زندۂ جاوید ہیں سوزِ محبت کے قتیل — یہ شرر ٹھنڈے نہ ہونگے بجھ کے تا روزِ شمار
خاک بھی ہوتے نہیں تفسیدگانِ سوزِ عشق — کس کا اے بادِ صبا! اب تو اُڑائیگی غبار
پھینک دینگے کاٹ کر جڑ تیری اے نخلِ مُراد! — دیکھنا ہے! پھر گریگی کس پہ برقِ شعلہ بار
کیا جلاتا ہے فلک ہم دل جلوں کو یاد رکھ! — جل مرینگے اک نہ اک دن آگ میں پروانہ وار
ہم نہ ہونگے ایک دن اے شعلۂ جانسوزِ غم! — کچھ دھواں ہوگا ہوا میں کچھ شرر اور کچھ غبار
لوحِ ہستی سے مٹایا ہے ہمارا نقش کیا — خود ہی مٹ جائیگا اک دن آسمانِ دوں شعار
گھر بنائینگے کسی اُجڑی ہوئی بستی میں اب — بھر گیا جی تجھ سے اے بزمِ نشاطِ روزگار
اور کرلے ہم سے ظالم! چار دن اٹکھیلیاں — خاک اُڑائے گی ہمارے بعد تو بادِ بہار

تو ہے عبرت کی جگہ دنیا! یہ کیا معلوم تھا
تیری محفل کو سمجھ کر آئے تھے دار القرار

ہیں قفس میں کچھ ہمارے بال و پر باقی ابھی
پھر بھی کرنا ایک دن تکلیف۔ برقِ شعلہ بار

رہ گئی اب کے برس بھی حسرتِ دیدارِ گل
کٹ گئے کنجِ قفس میں آہ! ایامِ بہار

ابرِ تر! ہم دل جلوں کی خاک سے ہٹ کر برس
تیرِ باراں سے ہیں بڑھ کر تیری جھڑیاں ناگوار

ہم نہیں گلچیں! غبارِ خاطرِ سرو و سمن
باغِ عالم کی ہوا ہے ہم سے کیوں ناسازگار

اٹھ گیا جب آہ! اپنا آشیاں ہی باغباں!
ہم کو کیا آئے خزاں تیرے چمن میں یا بہار

خوابِ ہستی! کس سے ہم تعبیر تیری پوچھتے
سب کے سب تھے بادۂ غفلت میں مستِ خمار

ہم نے پالا تھا دلِ زندہ تجھے کس ناز سے
کیا خبر تھی۔ موت کا ہو جائیگا اک دن شکار

سو رہینگے کھا کے کچھ اک دن ستمگر یاد رکھ!
اب سہے جاتے نہیں تیرے ستم۔ اے روزگار

تیرے جھونکوں میں ہے پھولوں کی لپٹ بادِ صبا!
کس گلِ تر کا لئے پھرتی ہے جھولی میں غبار

نور کا پتلا بنایا تھا یدِ قدرت نے ایک
پھونک ڈالا تو نے اُس کو آسمانِ برق بار

جل کے لپٹوں میں تیرے اے شعلۂ جانسوزِ غم
ہو گئی نذرِ اجل اک لعبتِ سیمیں عذار

تھا کمیں میں آہ! جس کی دستِ بیدادِ فلک
نقشِ عبرت ہو رہیں یہ اب وہ حسنِ پردہ دار

دھو رہا ہے آہ! دھبے خون کے کیا بوالہوس
یہ نہ چھوٹینگے تیرے دامن سے تا روزِ شمار

تیرے ویرانے میں اے چتوڑ اک پردہ نشیں
ایک مدت سے ہے آتش زیرِ پا زیرِ مزار

سوزِ غم سے خاک پر ہے یوں بدلتی کروٹیں
آگ کے شعلے پہ ہو سیماب جیسے بیقرار

آ رہی ہے دھیمی دھیمی یہ صدائے جانگداز
میری خاکستر میں اب تک آہ! باقی ہیں شرار

سرور (جہان آبادی)

آم کھانے سے دانت گر گئے

جو مسلمانوں کو یہ کہتے ہیں — کہ ہوئے پست تخت جانے سے
اصل حالت سے وہ نہیں واقف — باخبر وہ نہیں زمانے سے
اُن کی پستی کی وجہ ہم سے سنو! — وُہ ہُوئے پست عیش اُڑانے سے
ہو گئے وُہ تباہ دنیا میں — باپ دادا کا مال کھانے سے
اُن میں پیدا ہوئی ہے گمراہی — اپنے مذہب کے بُھول جانے سے
ہیں جہالت میں آج وہ بدنام — طرزِ تعلیم کے بُھلانے سے
دولتِ علم سے ہیں بے بہرہ — ہیں تہی دست اس خزانے سے
ہیں وُہ بیجا رسُوم کے پابند — خوش ہیں خود ایسے قید خانے سے
کیسے ناداں ہیں علم کے ہوتے — بھُوت اُتر واتے ہیں سیانے سے
کوئی پیشہ کریں تو ننگ اُنہیں — ہاں مگر خوش ہیں مانگ کھانے سے
راستی چھوڑ کر ہوئے واقف — جھُوٹ سے مکر سے بہانے سے
ہیں مسلمان آجکل کمزور — انہیں باتوں کے زور پانے سے
انہیں اسباب سے ہُوئے ہیں تباہ — نہ کہ وُہ سلطنت کے جاتے سے

قول ایسا ہے یہ کہ جیسے کہیں
گر گئے دانت آم کھانے سے

احسن (مارہروی)

نیرنگِ ہستی

لا ساقیا! پلا دے اِک جامِ ارغوانی — تھوڑی سی رہ گئی ہے! یوں ہی سی کچھ جوانی
آبادۂ کہن کا کون انتظار کش ہو — یہ غم نیا ہے دل کو توبہ ہوئی پُرانی
وُہ مے ہو جس کو پیکر دِل رازِ جاں سمجھے — وُہ جام ہو کہ جس میں بنتا ہے خُون پانی
ہوں میری مستیوں پر قرباں ہوش والے — جوشِ خمار مجھ کو سکھلائے نکتہ دانی
مت پُوچھ مجھ سے ساقی! افسانۂ زمانہ — کوتاہ ہے وقتِ فرصت لمبی ہے یہ کہانی
آئے تھے مستِ راحت خمخانۂ ازل سے — دِل کی ہر اِک صدا میں تھا راز نغمہ خوانی
فرخ تھا وُہ زمانہ جب ہم تھے بھولے بھالے — نازِ تبسمی تھا اندازِ گلفشانی
چھو ہو گیا وُہ عالم اپنی ادا دکھا کر — دِل کی شبک سری پر پڑنے لگی گرانی
بچپن گیا تو آئے عہدِ شباب کے دن — ہونے لگی ہر اِک جا یاروں سے راز دانی
جاں سونپ دی کسی کو! دل لے لیا کسی کا — کچھ ذوقِ جانفروشی! کچھ شوق دلستانی
لیکن شباب کیا تھا اِک خواب کا فسانہ — دُنیا کی گردشوں نے! کچھ اور ہی تھی ٹھانی
اُس شب کا تھا گذرنا پو پھٹ گئی سحر کی — آ پہنچی ہائے پیری! اور ڈھل گئی جوانی
کچھ راحتیں نہ پائیں کچھ عزتیں نہ دیکھیں — پایا تو ضعف پایا دیکھی تو خستہ جانی
ہڈی لگی چٹکنے اعضا لگے لرزنے — ڈھانچا ہوا پرانا! بھولی وُہ لن ترانی
جھیلے سبھی مصائب ہر رنج کو اُٹھایا — باقی رہی ہے شاید اب مرگِ ناگہانی
زیرِ فلک جہاں میں ہر چیز بے بقا ہے — اِس غمکدے میں آنا جانے کی ہے نشانی
اِک سانس جا رہا ہے! اِک سانس آ رہا ہے — اب ہم سمجھ گئے ہیں دُنیا ہے آنی جانی

ایسی جگہ یہ یارو! بہلے کسی کا جی کیا

مرگِ عدو یہ ہم کو آئے بھلا ہنسی کیا

خوش ہو کے خاک بیٹھیں دُنیا کی انجمن میں — ہے شورِ دردِ غُربت اس عارضی وطن میں

نقشِ قدم کی صُورت یہاں مٹ چکے کروڑوں — لاکھوں ہوائیں آئیں اس وادئ کہن میں

مشہور ہے فسانہ دُنیا کی کجروی کا — اِک ٹیڑھ سیدھی سادی ہے اس کے ہر چلن میں

اس بات کو تو سمجھیں جینے پہ مرنے والے — پیوندِ خاکِ ہستی ہے دامنِ کفن میں

وقفِ خزاں ہُوئی ہیں سرسبزیاں یہاں کی — اُڑتی ہے خاک ہر سو مدّت سے اس چمن میں

اے بخیہ گرِ یہ ٹانکے پھر کھولنا پڑینگے — ہیں دھجیاں فنا کی ہستی کے پیرہن میں

ہاں اے رُخِ مسرّت رونا تجھے پڑے گا — کھٹکا ہے صُورتِ غم کا لبہائے خندہ زن میں

دو دن کی زندگی ہے رہ لو یہاں پہ رل کر — کب تک رکھو گے یارو ان کاوشوں کو من میں

مشّاق ہے جفا میں یہ پیرزالِ دُنیا — تم بھول کر نہ آنا اس کے فریبِ فن میں

کاوش پہ جب یہ آئی نقشہ بگاڑ دیگی — بھولے ہُوئے نہ رہنا اپنی کہیں پھبن میں

پھرتا ہے جب مقدّر پھرتی ہے سب یہ دُنیا — ہیں گردشیں ہزاروں اِک گردشِ زمن میں

اس غم سے گاہ ایسا چپ ہو کے بیٹھتا ہوں — جیسے نہ ہو زباں ہی گویا مرے دہن میں

دل فکر سے ہو خالی ایسی نہیں جگہ یہ — ہم آزما چکے ہیں جا جا کے کوہ و بن میں

بستی میں تھے تو غم تھا بستی کی اُلفتوں کا — بن میں گئے تو دل تھا اِک اور ہی لگن میں

دِل چاہتا ہے اب تو! جا کر رہیں وہاں ہم!

پائیں نہ اس زمیں کو دیکھیں نہ آسماں ہم

ہاں! اے نمودِ ہستی ایسی جگہ بتا دے — گر یہ نہیں تو ایسا منظر کوئی دکھا دے

گلشن ہو اِک سُہانا رشکِ ریاضِ جنّت — جسکی بہار، خوبی فردوس کا پتا دے

جاری ہوں اس میں ہر سو آبِ صفا کے چشمے — پانی چھلک چھلک کر ہر دل کو تلملا دے

مخمل سے بھی ملائم! ہو گھاس ہر روش پر — شبنم کی دُرنثاری کچھ اور ہی مزا دے

مشرق کی منزلوں میں سورج کی ہو سواری — نورِ سحر چمن میں اک فرش سا بچھا دے

اس آسماں کے بدلے اشجار کا ہو سایہ — فرشِ زمیں پہ سبزہ مجھ کو زمیں بنا دے

مُنہہ چومتی ہو گل کا موجِ نسیمِ بُستاں — پھولوں کی خندہ رُوئی غنچوں کو مُسکرا دے

پتّوں کی ہر ادا پر آتا ہو وجد مجھ کو — ہر شاخِ گل کا جھکنا بیکل مجھے بنا دے

جامِ جہاں نما ہو جس پھول کو میں دیکھوں — دل رمزِ رازِ ہستی مجھ کو وہیں بتا دے

اُٹھے نظر جدھر کو منظر ہو قدرتوں کا — اک جلوۂ معارف بیخود مجھے بنا دے

مستی ہو میرے دل کو صہبائے ماسوا کی — کیفِ خمارِ عرفاں سب غفلتیں چھڑا دے

نیرنگیاں یہ کر دیں محوِ جمالِ معنی — دل سے حجابِ ہستی آ کر کوئی اُٹھا دے

نفس اپنی خودسری پر ہو منفعل اسی دم — دل نقشِ خود پسندی ہو کر خجل مٹا دے

حُسنِ صمد کا جلوہ ہو ہر طرف نظر میں — عشقِ ابد کی گرمی سینہ مرا جلا دے

آتی رہے نظر میں وہ برقِ طُور مجھ کو — جب نارِ نفس بھڑکے بادِ نفس بجھا دے

جب ذکر ہو کسی کا لبیک کہہ کے اٹھوں — تسلیم کا تقاضا گردن مری جھکا دے

اک دردِ دل کا نالہ آئے وہیں زباں پر — خوابیدگانِ شر کو! شورش مری جگا دے

رشکِ ریاضِ عالم ہو میری زندگانی — بادِ بہارِ عرفاں غنچہ مرا کھلا دے

اس بیخودی میں سمجھوں جب مدعائے ہستی — میں دل کو دوں دعائیں اور دل مجھے دعا دے

ورنہ یہاں پہ جینا! مرنے سے بھی بُرا ہے

اتنا بھی گر نہ سمجھے انسانیت ہی کیا ہے

جب پردۂ تعین! اُٹھا مری نظر سے — دیکھا ہے یہ تماشا چشمِ نہاں نگہ سے

اِک دن پڑے گی ہل چل اے ساکنانِ عالم — کچھ زادِ راہ اپنا اب باندھ لو کمر سے
مشکل پڑے گی آخر جب آگیا پیامی — نامہ روانگی کا لیکر قضا کے گھر سے
او بے خبر مسافر ہشیار ہو کے رہنا — غفلت میں لُٹ نہ جائے پہلے کہیں سفر سے
بادل فنا کا چھایا اُمڈی ہوئی گھٹا ہے — اُس کھیت پر ہے حسرت جس پر یہ جا کے برسے
ایسا اڑا رہی ہے ! منزل اجل کی مجھ کو — بچ بچ کے چل رہا ہوں ہستی کی رہگذر سے
سائنس کو بھی دیکھا ! چھانے علومِ عالم — واقف ہوا نہ لیکن دِل موت کے ہنر سے
عُمرِ ابد کی حسرت سو بار دل میں آئی — بن بن کے ذوقِ ہستی ٹپکا ہے چشمِ تر سے
لیکن ملی ہے یارو ! وُہ پر ملال دُنیا — سودا غمِ فنا کا جاتا نہیں ہے سر سے
اے میرے ہمنشینو کرتا ہوں اِک وصیت — تُربت پہ میری کتبہ لکھنا یہ آبِ زر سے

دوروزہ مہرِ گردوں ! افسانہ ایست افسوں
نیکی بجائے یاراں ! فرصت شمار یارا

اس بات کو سمجھنا ! اے جان نثارِ ہستی — منزل ہے اِک اجل کی یہ رہگذارِ ہستی
گرنا ذرا سنبھل کر ! دنیا کے میکدے میں — مدہوشیٔ فنا ہے ! کیفِ خمارِ ہستی
اے مست کبر خود سر کیسی یہ سر گرانی — اُتریگا جا کے اِک دن مرقد پہ بارِ ہستی
بادِ نفس کی زد سے سب ساز بج رہے ہیں — جھٹکا جب اس پہ آیا ! ٹوٹے گا تارِ ہستی
بے قیدِ سال و سن یہاں ! ہر قافلہ روانہ — ایسی روا روی میں کیا اعتبارِ ہستی
اس باغ میں خزاں کا ہر جا پہ ہے تسلط — دِل کو بچا کے رکھنا کھٹکے نہ خارِ ہستی
کِس کو خبر ہے اِسکی ! آجائے کب وُہ قاصد — کرنا ہو جو وُہ کرلے مت کر شمارِ ہستی
یارو وبالِ جاں ہے عُمرِ ابد کا جھگڑا — تم خضر سے تو پُوچھو ! کچھ انتشارِ ہستی
پیش از فنا فنا ہو شوقِ بقائے جاں میں — او بیقرار ہے گر ذوقِ قرارِ ہستی

ہو اس طرح جہان میں تکمیل دین و دنیا
جاں ہو فدائے مردن ! دل ہوشیارِ ہستی

خود کو یہاں پہ ہر دم مختار مت سمجھنا
ہاتھوں میں ہے قضا کے سب اختیارِ ہستی

جینے پہ مر رہے ہیں ! سائنس دانِ یورپ
سمجھیں تو موت ہی سے ! ہے اقتدارِ ہستی

یُں کاوشوں و حسد سے اُلجھوں خرابیوں میں
اچھا نہیں یہ جھگڑا اے کارزارِ ہستی

ہو شیخ یا برہمن ہوں مستمند سب کا
سمجھا ہُوں میں اسی کو اپنا وقارِ ہستی

مرنے پہ بیکسوں کے جیسے یہ رو رہا ہوں
اِک دردِ بیدلی سے ہوں دلفگارِ ہستی

اس موت کی سمجھ نے زندہ کیا ہے مجھ کو
سمجھا ہے جب سے مرنا ہوں رازدارِ ہستی

اب اے حمیدؔ ہرگز ! رہنا یہاں نہ غافل
یُوں کہہ گیا ہے کوئی اِک ہوشیارِ ہستی

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ این دو حرف است
با دوستاں مروت ! با دشمناں مدارا

حمید

حُسن

اَے حسن تیرا جلوہ دونوں جہان میں ہے
تو پردہ زمیں پر۔ تو آسماں میں ہے

تو ہر مکین میں ہے۔ تو ہر مکان میں ہے
تو ہر زبان میں ہے۔ تو ہر بیان میں ہے

تیرا ہے شش جہت میں چاروں طرف اُجالا
کوئی نہیں جہاں میں تیری سی شان والا

شام و سحر میں تو ہے شمس و قمر میں تو ہے
شاخ و شجر میں تو ہے۔ برگ و ثمر میں تو ہے

ہر بال و پر میں تو ہے۔ ہر بحر و بن میں تو ہے　　دل اور جگر میں تو ہے۔ آنکھ اور نظر میں تو ہے

تو بحر کی روانی۔ اور آب ہے گہر کی

تو آگ کی حرارت اور آنکھ کی ہے پُتلی

باغ و بہار میں تو۔ برگ اور بار میں تو　　نُور اور نار میں تو۔ سنگ و شرار میں تُو

نقش و نگار میں تو۔ سقف و جدار میں تو　　لیل و نہار میں تو۔ زلف و عذار میں تو

انساں میں تیرا جلوہ۔ حیواں میں تیرا جلوہ

حوروں میں تیرا جلوہ۔ غلماں میں تیرا جلوہ

موج و حباب میں تو۔ بحر و سراب میں تو　　ابر اور آب میں تو جام و شراب میں تو

شیب و شباب میں تو۔ شیخ اور شاب میں تو　　لُطف و عتاب میں تو۔ شرم و حجاب میں تو

تو مثلِ نشہ مُل میں۔ اور بو کی طرح گل میں

تو جاں کی طرح تن میں۔ اور مثلِ جزو کُل میں

سب فیض پا رہے ہیں تیری ہی روشنی سے　　دُنیا کی ساری چیزیں معمُور ہیں تجھی سے

ظاہر ہے تیرا جلوہ ہر پھول اور کلی سے　　تیری جھلک عیاں ہے نیکی سے اور بدی سے

تو حُسن اور خوبی۔ تو جان قدسیوں کی

تو نُور کی تجلی۔ تو جلوۂ الٰہی

اُس وقت بھی تھا تو ہی جب کچھ نہ تھا جہاں میں　　جب کچھ نہ ہوگا۔ ہوگا تو کون اور مکاں میں

تو سوزشِ دروں میں۔ تو کاوشِ نہاں میں　　تو محفلِ طرب میں۔ تو مجلسِ فغاں میں

سوز و گداز میں تو۔ راز و نیاز میں تو

نغمے میں ساز میں تو۔ غمزہ میں ناز میں تو

معشوق بھی تو بنادے۔ عاشق بھی تو بنادے　　کاذب بھی تو بنادے۔ صادق بھی تو بنادے

شحنہ بھی تو بنا دے۔ سارق بھی تو بنا دے
زاہد بھی تو بنا دے۔ فاسق بھی تو بنا دے

جو چاہے تو بنا دے قدرت ہی تجھ میں سب کچھ
جو چاہے وُہ کرے تو۔ طاقت ہی تجھ میں سب کچھ

تو کر دے مفلسوں کو زردار اور توانگر
کر دے توانگروں کو محتاج اور بے زر
گمنام کو تو کر دے دُنیا میں نام آور
تو جس کو چاہے کر دے دلدار اور دلبر

دونوں جہان میں ہر تیرے ہی دم کی رونق
تیرے وجُود سے ہے مُلکِ عدم کی رونق

تیرے ہی سب ہیں عاشق تیرے ہی سب ہیں شیدا
تیرا ہی ہے جہاں میں ہر شخص نام لیوا
تو رونقِ مساجد۔ تو زینتِ کلیسا
مخلوق اور خالق دونوں میں تیرا جلوہ

مومن بھی تیرا بندہ۔ کافر بھی تیرا بندہ
شاغل بھی تیرا بندہ۔ ذاکر بھی تیرا بندہ

تو ہے بنائے عالم۔ تو ہے بنائے ہستی
کونین میں نہیں ہے کوئی بھی تجھ سے خالی
تو کیا ہے نُورِ مطلق۔ تو کیا ہے وُہ تجلّی
جو برقِ طور بنکر موسیٰ کے آگے چمکی

تو حسن بھی۔ حسین بھی۔ نازک بھی۔ نازنیں بھی
مارا ہوا ہے تیرا۔ عبدالمتیں۔ متیں بھی

از بنگلور
متین

حُبِّ وطن

اے گلشنِ وطن ہو وُہ فردوسِ عام تو
اسلام و کفر سے نہیں رکھتا ہی کام تو

مفلس ہے یا امیر ہے بد یا کہ نیک ہے
پیمانہ تیرے دردِ محبت کا ایک ہے

ہے ہمدمی ہواؤں میں تیری بھری ہوئی
تیرے گلوں میں بوئے محبت بسی ہوئی

کانٹوں میں بھی ترے خلشِ خارِ غم نہیں
تیری خزاں بھی فصلِ بہاری سے کم نہیں

کوچوں میں تیرے دامنِ مادر کی شفقتیں
سایہ میں جن کے دستِ پدر کی ہیں برکتیں

طفلی کی سرگذشت ہے کوچہ جو ہے ترا
گلدستہ تیری گلیاں ہیں سیرِ شباب کا

پالا ہے تو نے گود میں سو ناز سے مجھے
ہے یہ بجا کہ مادرِ مشفق کہوں تجھے

بستی میں تیری غمکدہ ویرانہ ہو تو ہو
سبزہ ہی تیرے باغ میں ویرانہ ہو تو ہو

طفلی کے مُرغِ ناز کا ہے آشیانہ تو
پیری ہے شامِ غربت و مہمان خانہ تو

وُہ وُہ ہیں پھول تیرے گلستاں میں کھل رہے
شاید ہی باغِ خلد میں بھی جن کی بُو ملے

یعنی کہ بھائی بہنوں کے گھر میں وہ لاڈ پیار
حلقے وُہ پیارے پیارے عزیزوں کے خوشگوار

وُہ صحبتِ قدیم وُہ یارانِ خوش قریں
بچپن کے ہمزباں وُہ جوانی کے ہمنشیں

طفلی کے مہرباں وُہ اکٹھے پڑھے ہُوئے
آغوشِ ناز میں ترے باہم پلے ہُوئے

وُہ یار دوست شمع صفت یک زبان و دل
احبابِ انجمن سببِ جمعِ جان و دل

وُہ محفلِ نشاط خوشی کی وُہ انجمن
وُہ یار ہم پیالہ وُہ میخانۂ وطن

تیرے وُہ باغ و راغ کے نظارے بے نظیر
تیرے نشیمنوں کے وُہ خوش نغمہ ہمصفیر

سُنتے ہیں یُوں تو خوش ہی بہت روضۂ جناں
پر آب یہ ہوا یہ لطافت مگر کہاں

یُوں تو ہیں شہر اچھے سے اچھے بھرے پڑے
پر کیا کریں نہ اُن سے طبیعت اگر ملے

اے صحبتِ وطن کبھی دل سے جُدا نہ ہو
کیا جانے خلد میں تو میسّر ہو یا نہ ہو

کچھ میں ہی آ کے تیری زمیں پر نہیں رہا
گھر تو نے بھی تو ہے مرے دل میں بنا لیا

دل تیری تاڑ میں ہے تو ہے دل کی تاڑ میں
پوشیدہ ہے حسین کوئی تیری آڑ میں

اِک مرکزِ کشش ہے دلوں کو تری زمیں
اِس مسئلے کا ہر کوئی نیوٹن ہے بالیقیں

اس سر زمیں سے رازِ کشش کا ہُوا عیاں
ہر ذرّہ حکم رکھتا ہے خورشید کا یہاں

ہر وقت دل پہ نقش تری رُوئیداد ہے
تجھ کو ضرور کوئی عمل حُب کا یاد ہے

ہے تیرے جھونپڑوں سے بھی دل بستگی مجھے ق
آتی ضرور ہے کوئی جادوگری تجھے

جادو اگر نہیں تو کیا اس میں راز ہے
مٹّی پہ بھی تری ترے بچّوں کو ناز ہے

کیا جانیں زاہد اگر ہے جنّت بھی کوئی چیز
ہم کو وطن عزیز وطن کو ہیں ہم عزیز

اُلفت نہ کس طرح ہو مجھے تری خاک سے
میرے بزرگ بھی تھے اِسی خاکِ پاک سے

آ کر وہ تیرے سایۂ شفقت میں تھے پلے
پھولے اِسی چمن میں اِسی باغ میں پھلے

رہ رہ کے عمر بھر ترے ناز و نیاز میں
آخر کو سو گئے ترے آغوشِ ناز میں

ہے فخر و ناز تیری زمیں پر بجا مجھے
اپنے خدا سے پایا ہے میراث میں تجھے

ہو شامِ غربت اور ہو دِل گر بُجھا ہوا
اس دم بھی تیری یاد دیا ہے امّید کا

منزل کی فکر۔ سانس ہو ٹھنڈی ہو چشمِ تر
ہے دل میں تیری یاد حرارت فزا مگر

غُربت کی شام چھائی ہُوئی غم کی ہے گھٹا
تیرا خیال واں بھی ہے جُوں برقِ رہنما

گر تو نہ ہو تو خانہ بدوشی شعار ہو
غربت ہو بیکسی بھی ہو اور اضطرار ہو

غربت میں لاکھ شیر بھی ہو پھر بھی زیر ہے
تیری گلی میں کہتے ہیں کُتّا بھی شیر ہے

چُوموں نہ کیوں یہ خاک کہ طفلی میں بھی مری
ہر ہر قدم پہ تو نے بلائیں ہیں میری لی
ق
ہاں یاد ہیں وہ طفلی کے ایّامِ خوش قدم
مَیں اور تیری خاک تھے جب کھیلتے بہم

اک مشتِ خاک اب بھی مجھے دے ہی دیجیو
پہلا بھی ہم نشین تھا تو ہی آخری بھی ہو

ہے کون ایسا حُبِّ وطن بھی جسے نہیں ۔۔۔ فرمایئے تو ماں کی محبت کسے نہیں
اپنے وطن سے حُبِّ دلی ہے اگر تجھے ۔۔۔ وُہ کام کر کہ جس سے ہرا یہ چمن رہے
تجھ ہی سے تو خطاب ہے اے نوجوانِ ہند ۔۔۔ ہاں کان کھول بہرِ خدا اُس فغانِ ہند
اس ڈوبتے کا ایک فقط آسرا ہے تو ۔۔۔ مانا خدا نہیں ہے مگر ناخدا ہے تو
ہالینڈ میں ایک طفل نے جان اپنی وار کے ۔۔۔ تھا ملک سب بچا لیا پانی کی مار سے
برطانیہ کے شیر دلو تم پہ آفریں ۔۔۔ کیا کیا نہ تم نے دیس پہ جانیں نثار کیں
ہر بحر و دشت و کوہ میں دے دیکے اپنی جاں ۔۔۔ اپنی وفا کی کرتے پھرے تخم ریزیاں
نکلے تھے جو کہ خطۂ زر کی تلاش میں ۔۔۔ خاکِ وطن پہ ہائے نہ سونا ملا اُنہیں
ہے کوئی ایسا ہند کو جاپان دے بنا ۔۔۔ علم و ہنر کی یعنی اسے کان دے بنا
اختر وطن کے واسطے کچھ تو کیا کرو ۔۔۔ گر اور کچھ نہیں یہی ہر دم دُعا کرو
تاحشر یہ زمیں رہے بستی خدا کرے ۔۔۔ رحمت رہے یہاں پہ برستی خدا کرے

محمد حسن اختر

تازہ غزلیں

شعلہ زن مجھ میں کسی کی نگہِ اوّل ہے ۔۔۔ میرے پہلو میں بھڑکتی ہُوئی اک مشعل ہے
آگے پیچھے میں پھرا کرتا تھا جنکے کل تک ۔۔۔ ہائے وُہ آج نگاہوں سے میری اوجھل ہے

وصفِ ابرو جو کیا منجھ گئے الفاظ مرے
آپ شمشیر تری میرے لئے صیقل ہے

اُڑ گئی جب مرے صحرا کے نکل جانے کی
مُسکرا کر کہا کمبخت بڑا پاگل ہے

پھیلتا جاتا ہے کیوں حرص و ہوا کا دامن
یہ بھی کیا یار کی آنکھوں کا کوئی کاجل ہے

عہد باندھا ہے محبت کا بڑی مدت میں
دیکھنا توڑ نہ لینا یہ مری کونپل ہے

ہاتھ پھسلے چلے جاتے ہیں الٰہی توبہ
یہ ترے پھول سے رخسار ہیں یا صندل ہے

اور پہ یزاد ہے مجھے حُسن تلوّن کی قسم
ترے آتے ہی قیامت ہیں بھی اک ہلچل ہے

لڑکھڑاتا ہوا میں بزم میں آیا تو کہا
دیکھنا آج سواری پہ ہے یا پیدل ہے

تم نہیں ہو تو مجھے خار ہے ایک ایک کلی
ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے

داغ کے بعد نہیں لُطف غزل کا شاعر
یُوں تو کامل ہے کوئی اور کوئی اکمل ہے

(آغا شاعر قزلباش دہلوی)

مَیں سمجھتا ہوں تمہیں۔ جانتی ہو تم مجھ کو
کچھ میں اغیار نہیں سمجھو جو منہم مجھ کو

خوف افشائے ستمہائے نہانی کیجے
ناتواں دیکھتے ہیں دیدہ مردم مجھ کو

غیر تک ملتفتِ حالِ زبوں ہے میرا
جاننا واقفِ اسرارِ نہاں تم مجھ کو

بحرِ مواج میں قطرے کا تماشا دیکھو
ناخدا چھوڑ چلا ہے سرِ قلزم مجھ کو

ذکرِ دشمن سے گراں تر ہیں شکوے ہونگے
چاہتا ہوں نہ ہو یارائے تکلم مجھ کو

وُہ بد اختر ہُوں رہا یہ بھی نہ شغلِ شبِ غم
دیکھتے ہیں نگہِ چرخ سے انجم مجھ کو

حسرتِ دیدۂ تر۔ خوں کے بھے گھونٹ پیۓ
ایک ستم تھا وہ ترا ضبطِ تبسم مجھ کو

خود پسندی نے تمہیں اور مجھے ایک کیا
کیوں مری طرح سے آتے ہو نظر تم مجھ کو

کیوں جئیں ہجر میں جب موت کو سُنتی ہیں وصال
کہتا آئے حضرتِ عیسیٰ نہ کہیں قُم مجھ کو

موجِ دریا کی حقیقت بھی کھلی بارے ادیبؔ
جوشش گریہ نے دکھائے جو تلاطم مجھ کو

(محمد سیف الحق ادیب دہلوی)

جو نہ سلجھے عقدہ وہ اُس کاکلِ پُرخم میں ہے / آرزو نکلے نہ جو میرے دلِ پُرغم میں ہے
ہے کڑی اُلفت کی منزل اور ہے یہ شرطِ وفا / ہر قدم آگے بڑھے دم جب تک اپنے دم میں ہے
آنکھ ہو نظّارہ بیں اور ہو دلِ دردآشنا / تب مزا کچھ زندگی کا اس گلشنِ عالم میں ہے
وہ نہیں آتے نہ آئیں ہے اسی میں لُطفِ زیست / دم دیے جائیں وہ جب تک دم ہمارے دم میں ہے
یاد آجاتے ہیں پھر وہ زخم کھانے کے مزے / یہ اثر اے چارہ گر کیسا ترے مرہم میں ہے
امتیازِ وصل و فرقت سے بھی ہے آزاد وہ / اب تو دیوانہ کسی کا اور ہی عالم میں ہے
لُطف جینے کا اگر ہے تو کسی کی یاد میں / اور مزا مرنے کا ہو گر تو کسی کے غم میں ہے
عنبر اپنا دل اُسے کہتے ہو دیوانے ہو تم / مسکن اب اُسکا کسی کے گیسوئے پُرخم میں ہے

(نورالدین عنبر ازسری نگر)

رہی جو شکل یہی تو نباہ کیا ہوگا / میں سوچتا ہوں کہ انجام آہ کیا ہوگا
کسی کو پھل نہ ملا اس سے غیرِ رسوائی / خدا بچائے ہمیں کر کے چاہ کیا ہوگا
ہمیشہ درپئے آزار ہی ہمارے رقیب / کہے سے تیرے بھلا روسیاہ کیا ہوگا
سوالِ وصل پہ تیرا جواب اے ظالم / کدھر خیال ہے رہنے دو واہ کیا ہوگا
رہیگی بات تمہاری نکل ہی جائیگا وقت / ہمیں بھی ملتے رہو گاہ گاہ کیا ہوگا
گنہ کا عذر ہی بدتر گناہ سے ہوتا / قصور کر کے یہ دل عذر خواہ کیا ہوگا
ثبوتِ جرم کو ظالم ہیں داغِ دل ہی بہت / حضورِ داورِ محشر گواہ کیا ہوگا
اُدھر وہ بارِ گراں عشق کا اِدھر یہ دل / اُدھر وہ کوہ اِدھر برگِ کاہ کیا ہوگا
تو شوقِ وصل میں بیتاب و بیقرار اے دل / وہ جانتے نہیں یہ رسم و راہ کیا ہوگا
بتو خدائی میں سوچو تو ہم سے بھی بڑھ کر / تمہارا اور کوئی خیر خواہ کیا ہوگا
خدا جو دے تو یہاں دید کی گدائی کر / جہاں کو لیکے جہانگیر شاہ کیا ہوگا

(جہانگیر)

آؤ ہم بتلائیں تجھے ہزار مریض کس طرح صحت یاب ہوتے ہیں

[illegible] — مقوی بصر - محافظ بینائی - دافع نزول الماء - دھند - غبار - آب روانی وغیرہ - قیمت فی تولہ دو روپے (عہ) -

حب ذیابیطس — پیشاب کا بار بار آنا اور شکر رک کر تندرستی نصیب ہو - فی تولہ عہ

حب قبض — ایک گولی سے دائمی قبض دور اور تمام عوارض درد سر یرقان وغیرہ کافور - ۲ درجن (عہ)

عشبہ مصفیٰ — صفائی خون کے لئے بے مثل - گندہ خون کو زہر سے صاف کرتا ہے - داد - پھوڑا پھنسی - ناسور - بھگندر - خارش شیشی کلاں (عہ) شیشی خورد (عہ)

نور علی نور — چند منٹ میں بال ورہ ۲ تولہ ایک روپیہ (عہ)

حب وجع المفاصل — درد اعضا - جوڑوں کا درد دور ہو - ۱ ہفتہ کے لئے دو روپے (عہ) -

حب دافع الطحال — تلی یا لفہ کے دفعیہ کے لئے شرطیہ ۲ ہفتہ کے لئے دو روپے (عہ)

اکسیر البال — دلربا خوشبو کے علاوہ بال بے وقت سفید نہیں ہوتے دہیا - نزلہ - زکام کو دور کرتا ہے ضعف دماغ کو مفید - فی شیشی (عہ) -

زود رس — اس کے لگانے سے بال بکثرت پیدا ہوتے ہیں قیمت فی شیشی دو روپے (عہ)

دوائی خارش — سالوں کی خارش اور بدن کے دانے دو دن میں خشک ہو جاتے ہیں - ۲ تولہ (عہ)

[illegible] — اخراج بلغم - درد سینہ - سرفہ کہنہ اور خراش گلو نزلہ کا چھاتی پر گرنا اس کے استعمال سے بند ہو جاتا ہے اور ہر موسم میں کارآمد - ایک تولہ کی قیمت (عہ)

حب قائم مقام افیون — چند یوم - افیون بلا تکلف اس سے چھوٹ جاتی ہے - ایک تولہ - ایک روپیہ (عہ)

مرہم عجیب — برسوں کا زخم بھر جاتا ہے - بھگندر و ناسور کے لئے اکسیر اور عجیب الاثر ۲ تولہ (عہ) -

دوائی درد کان — دو قطرے ڈالنے سے آرام ہو جاتا ہے ایک شیشی دو سو مریضوں کو کافی ہے - قیمت عہ

حب مشتہی — خوش مزہ - بھوک لگاتا اور کھانا ہضم کرتا ہے - ۴ تولہ ایک روپیہ (عہ)

مسی و سنون محکم دندان — ہلتے دانت مضبوط اور میل دور کرتا ہے - قیمت (عہ) -

بحمد اللہ دافع بخار — دو رتی بھر سے بخار اتر جاتا ہے اور پسینہ خوب آتا ہے - قیمت ۲ درجن عہ

ضیق النفس یا دمہ — سانس کا رکنا اور بلغم وغیرہ دور ہو کر صحت ہو جاتی ہے (عہ)

رعنا — چہرہ کے داغ بدنما وغیرہ دور ہو جاتے ہیں - ۲ تولہ عہ -

[illegible] — درد گردہ دور اور ریگ مثانہ بے تکلف خارج ہو جاتی ہے ۲ تولہ (عہ)

اکسیر شفا — دوائی طاعون بطور علاج حفظ ماتقدم حامل مرض کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے - غربا کو مفت فی شیشی عہ

حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت لاہور موچی دروازہ

خاندان حکیماں لاہور کے سینہ بسینہ مجرب نسخے

محصولڈاک ذمہ خریدار

(کحل بے نظیر یعنی سرمہ بے نظیر)

قیمت ... خریدار

اگر کسی صاحب کو نزول الماء۔ دھند۔ غبار۔ ککرے۔ ضعف بصارت وغیرہ کی شکایت ہو۔ یا آنکھ کے متعلق کسی قسم کی اذیت ہو تو ہمارا سرمہ منگائیں انشاء اللہ تعالیٰ کل نقص رفع ہو گا۔ قیمت فی تولہ دو روپیہ عہ نمونہ مفت جو صاحب نمونہ منگوانا چاہیں۔ تو محصولڈاک وغیرہ کے واسطے ۱/ کے ٹکٹ ارسال فرمادیں۔

شہادتیں۔ ۲۔ اگست ۱۹۰۸ء

مشفق کرمی جناب سید حکیم نادر علیشاہ صاحب السلام علیکم مزاج شریف۔ آپکے مشہور کحل بے نظیر کا میں نے خود بھی امتحان کیا۔ اور احباب سے بھی اسکی بابت رائے پوچھی۔ میں بلاتامل کہتا ہوں کہ یہ سرمہ اسم با مسمٰے ہے۔ دھند غبار۔ سرخی چشم کے رفع کرنے میں فوری اثر رکھتا ہے۔ حکمت اگرچہ آپکا وراثۃً حصہ ہے لیکن خاص شوق اور دلچسپی کے باعث جو آپکو قدرۃً اس فن میں ہے مجھے امید واثق ہے کہ آپ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرینگے والسلام۔

آپکا مخلص خیر سید سعید الدین رجسٹرار عدالت خفیفہ لاہور (حال منصف پٹھان کوٹ)

کرم فرمائے بندہ جناب حکیم صاحب دام الطافکم:۔

بعد سلام سنت الاسلام واضح رائے شریف ہو۔ آپکے کحل بے نظیر کا میں نے استعمال کیا اور اسکو واقعی بے نظیر پایا۔ مجھکو عرصہ سے ضعف بصر اور غبار و دھند کی شکایت تھی اور آنکھوں میں پانی بھرا رہتا تھا بہت سے مختلف اشتہاری سرموں کا استعمال کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ البتہ آپکے سرمہ سے آنکھوں کو بہت فائدہ پہنچا اسمیں خاص خوبی یہ ہے کہ روز اول کے استعمال سے ہی آنکھیں صاف غبار اور پانی خشک ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں قوت بینائی زیادہ ہونے لگتی ہے اسلئے خواہ مخواہ دل چاہتا ہے کہ ہر روز بلا ناغہ استعمال کیا جاوے اشتہاری دوا کے خریدنے سے جو مایوسی ہی دل میں ہوا کرتی ہے۔ وہ اسکے اول روز کے ہی استعمال سے دور ہو جاتی ہے اور قیمت ادا کردہ کا افسوس نہیں ہوتا اس سرمہ کے روز اول ہی کے استعمال سے مجھے اسقدر فائدہ ہوا ہے۔ جو دوسرے سرموں کے چالیس دن تک کے استعمال سے نہیں ہوا ہے

راقم نیاز عبدالعزیز کلرک دفتر پوسٹماسٹر جنرل صاحب بہادر پنجاب و نارتھ ویسٹ فرانٹیر

مورخہ ۳۱۔ اگست ۱۹۰۸ء

پتہ۔ حکیم سید نادر علی شاہ۔ بازار حکیمان لاہور پنجاب

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسر نامور ڈاکٹروں لیبان ہاسپٹل ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یوروپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہو کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم۔ دھند۔ جالا پڑوال۔ غبار سبل۔ سرخی پھولا۔ ابتدائی موتیا ناخنہ۔ پانی بہنا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ آنکھ کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہو اور عینک کے استعمال کرنیکی حاجت نہیں رہتی بچے سے لیکر بڈھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی ہے کہ عام خاص اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہو مبلغ عہ دو روپیہ ممیرے کا سرمہ نمبر اعلیٰ قسم فی تولہ مبلغ سے تین روپیہ ہے۔ خالص ممیرہ فی ماشہ عہ مصری سرمہ فی تولہ عہ خرچ ڈاک ذمہ خریدار۔

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

اس سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سرمہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ سے تیار کیا ہوا ان مریضوں پر کہ جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کرکے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاصکر ان مریضوں کے واسطے جن کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہو۔ اور دھند۔ غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔

راقم

ڈاکٹر برج لال گوبن نہیا ایل۔ ایم۔ ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور و آنریری سرجن گورنر جنرل ہند

(۲) میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے اپنے زیر علاج کئی ایک مشتبہ کے مریضوں پر استعمال کیا میری رائے میں بینائی قایم رکھنے اور آنکھوں کی بیماری سے بچنے کے لیے ممیرے کا سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے

راقم

خان بہادر ڈاکٹر سید میر شاہ ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور۔

پانچ ہزار روپے انعام

اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سندات میں سے جو کہ قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کردے اسکو مبلغ پانچہزار روپیہ انعام دیا جائیگا۔ جو لاہور کے پنجاب بنک میں اسی مطلب کے لئے مارچ سنہ ۱۹۰۱ء سے جمع کیا گیا ہے۔

وکیل اور زمیندار کا قصہ

کسی گاؤں میں ایک سادہ لوح وغریب زمیندار برنارڈ نامی رہا کرتا تھا ایکدن اسکو شہر جانیکا اتفاق ہوا جہاں وہ ایک مشہور وکیل سے ملا اور پوچھا کہ مالدار بننے کی کوئی راہ بتلادیں۔ وکیل نے اپنی فیس لیکر ایک بند لفافہ برنارڈ کے حوالہ کیا۔ گھر میں آکر شام کے وقت زمیندار نے لفافہ کھولا۔ تو لکھا تھا۔

جو کام آج کر سکتے ہو اسکو کل پر مت ڈالو۔

زمیندار کا ہزاروں من چارہ باہر کھیت میں پڑا تھا۔ فوراً اسکو گھر لاکر مکان کے اندر رکھوا دیا۔ رات کو طوفان آیا اور بارش موسلا دھار ہوئی جن لوگوں کا چارہ باہر تھا۔ سب بہ گیا اگلے دن سارے گاؤں میں صرف برنارڈ ہی بشاش تھا طاعون کا طوفان بارش کے طوفان سے بدرجہا خوفناک ہے جو لوگ برنارڈ کی طرح خوش وخرم وبیفکر رہنا چاہتے ہوں۔ انکو طاعون کی دوا ہر وقت گھر میں رکھنی چاہیئے۔ ہمنے کبھی نہیں سنا۔ کہ کسی مریض نے ہماری دوا کا استعمال کیا ہو اور وہ راضی نہوا ہو۔ یا کسی تندرست آدمی نے اسکا تھوڑا استعمال کیا ہو اور وہ طاعون کا شکار ہوا ہو۔

١۔ دوائی طاعون ہزاروں جانیں بچا چکی ہے۔ قیمت دو روپے فی شیشی۔

٢۔ خضاب۔ مثل تیل چنبیل کے لگایا جاتا ہے۔ سفید بالوں کو سیاہ بھنورکر کے اصلی رنگت دیتا ہے بالوں کو ریشم جیسے نرم رکھتا ہے۔ جلد پر داغ نہیں دیتا۔ قیمت دو روپے (عہ)

٣۔ روغن وگولیاں۔ انکے استعمال سے بال ہمیشہ سیاہ رہتے ہیں اگر سفید ہو گئے ہوں تو بھی آہستہ آہستہ سیاہ ہو جاتے ہیں (عگ)

٤۔ گلگونہ۔ چہرے کے چھائیں۔ چھائیاں سیاہ داغ وکیل دور کر دیتا ہے خوبصورتی کیواسطے لازمی ہے قیمت (عہ)

٥۔ دوائی بواسیر۔ بواسیر خونی ہو یا بادی مسے اگے ہوں تو بلا تکلیف گم۔ شرطیہ شفا قیمت (عگ)

٦۔ روح النساء عورتوں کی سب بیماریوں کے واسطے اکسیر ہے قیمت (عگ)

٧۔ روغن کان بہرے ہوں بہتے ہوں درد سائیں سائیں طرح طرح کی آوازیں آتی ہوں فوراً آرام ہوتا ہے قیمت (عگ)

٨۔ سرمہ ممیرا۔ دھند۔ غبار۔ لالی۔ پڑوال۔ پانی۔ جالا۔ ناخنہ وغیرہ کیواسطے اکسیر موتیا کے واسطے سفید امریکہ وجرمنی تک مشہور (عگ)

٩۔ بال اڑانیکا تیل بلا تکلیف خارش دو منٹ میں بال دور ہوں قیمت ۸ فی شیشی (محصولڈاک بذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر گمیر سنگھ ایم اے کرم ہسپتال فیروز پور شہر (پنجاب)

مجرب

سابق ڈپٹی کمشنر بہادر

مصدقہ جناب مسٹر جے جی سلکاک صاحب بہادر سابق ڈپٹی کمشنر لودیانہ حال کمشنر راولپنڈی

مجرب

تریاقِ طاعون

ہم نے عرصہ دراز کی جانفشانی کے بعد تریاقِ طاعون ایجاد کیا ہے جو تجربہ سے نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ بطور حفظ ما تقدم اگر استعمال کیا جاوے تو مرض طاعون کے حملہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔ اگر مبتلائے مرض اس کا استعمال کرے تو فوراً بخار فرو ہو جاتا ہے۔ گلٹیاں گم ہو جاتی ہیں۔ دل میں طاقت۔ طبیعت میں بشاشت ہے۔ اس دوائی کے استعمال سے نہ قے آتی ہے نہ اسہال ہوتے ہیں پسینہ جو مرض طاعون کے لئے بڑی نیک نشانی ہے۔ آ جاتا ہے۔ اور مریض بفضل خدا صحت یاب ہو جاتا ہے۔ ہر ایک گھر میں چند شیشیاں تریاقِ طاعون کی موجود رہنی چاہئیں۔ تجربہ اس امر کی کافی شہادت ہے کہ تریاقِ طاعون تحصیل قصور ضلع لاہور میں شروع مرض میں اٹھانوے آدمیوں نے استعمال کیا۔ جن میں سے ۹۰ صحت یاب ہوئے اور صرف آٹھ آدمی فوت ہوئے۔

قیمت فی شیشی (عہ) چھ شیشی (ص) بارہ شیشی ۹ روپے۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

نقل چٹھی نمبری ۳۵ از جانب جناب مسٹر جے جی سلکاک صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لودیانہ (حال کمشنر راولپنڈی) مورخہ ۱۰۔ اپریل ۱۹۰۳ء۔ جناب من بجواب آپ کی چٹھی مورخہ ۳۱۔ ماہ گذشتہ در بارۂ تریاق طاعون میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جن میونسپل کمشنران کو یہ دوائی بھیجی گئی تھی۔ انہوں نے اسکی نسبت عمدہ رپورٹ کی ہے۔ اور چونکہ ان کے بیان کے مطابق شہر لودیانہ میں اس کی مانگ بہت ہے۔ اس لئے بہت اچھا ہوگا کہ انہیں ممبروں کے پاس مفت تقسیم کرنے یا فروخت کرنے کے لئے کچھ اور دوائی بھیجدیں۔

دستخط

صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

عنبرینہ

صفائی خون کے واسطے ...

جوہر قبض (عہ)

حب جواہر (عہ)

قیمت فی بکس (عہ)

اصلی محمدی کاجل

دافع ضعف بصارت ... جالا ... دھند

جوارش شاہی

ہاضم طعام ...

سفوف مقوی دندان

بہ صفت موصوف ... قیمت فی بکس ایک روپیہ (عہ)

المشتہر حکیم محمد شریف آئی ڈاکٹر پروپرائٹر شفاخانہ عام لاہور

ممیرہ اور سچے موتیوں کا سفید سرمہ

مصدقہ جناب نامی گرامی ڈاکٹر ڈبلیو آر کرا ایپر صاحب بہادر۔ ایل۔ سی۔ ایس۔ اے۔ آر۔ ایس۔ ایم۔ فیلو آف کمسٹری لنڈن

جسکی نسبت لنڈن و کلکتہ و پنجاب و آگرہ میڈیکل کالج کے سند یافتہ معزز ڈاکٹروں نوابوں و راجاؤں کے معزز حکیموں و صاحبان جج بہادر و مجسٹریٹ بہادر و صاحبان ڈپٹی کلکٹران بہادر و معزز یوروپین صاحبان انگریز بہادر وغیرہ نے بعد تجربہ و استعمال کے ہم کو یہ لکھا ہے کہ آپ کا ممیرہ و سچے موتیوں کا سفید سرمہ آنکھوں کی بیماریوں و ترقی روشنی کے واسطے بہت مفید اور سب سے بہتر و زود اثر دوا ہے کہ جس کے سارٹیفکیٹ بوقت فرمایش آپ کی خدمت میں ہم خود بھیجدینگے بلکہ روس وغیرہ کے معزز ڈاکٹران و حکیم آنکھوں کی بیماریوں میں اور دوا کو چھوڑ کر ہماری اس دوا کو استعمال کرتے ہیں ہم نے اصلی و عمدہ ممیرہ بڑی تلاش سے ہندوستان کے باہر سے منگایا ہے۔

ہمارے سرمہ کا امتحان اور اس میں جلد کامیابی

نگاہ ناپ کر ہمارا سرمہ لگائے دو ہفتہ میں روشنی آنکھ کی بہت بڑھ جائیگی اور آنکھ کے جملہ نقص دور ہو جائینگے (۲) عینک کی ضرورت نہیں (۳) دھند۔ ڈھلکہ۔ آنسو بہنا۔ سردی۔ سوزش۔ کھجلی۔ آنکھ کے سامنے کا اندھیرا پلکوں کے اندر کے دانے و سرخی۔ گوہانجی (۴) لکھنے پڑھنے سے آنکھوں کا تکان۔ درد بہت جلد شرطیہ دفع کرتا ہے (۴) کمزور نگاہ کو سوئی میں تاگا بہت جلد چھڑنے لگے۔ پڑوال۔ سبل۔ جالا۔ پھولی۔ ابتدائی موتیابند۔ ناخونہ لگے (۲۲) آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑجانے کو (۲۳) پلکیں گرجانیوالی بیماری کو مفید ہے۔ کمزور آنکھ کو قوت دیتا ہے۔ آنکھوں کا میل اور مواد صاف کرتا ہے اور جملہ امراض سے محفوظ رکھتا ہے قیمت فی تولہ تین روپیہ ؏ ہے۔

المشتہر: رام سرن نگم۔ کانپور { اپنا نام و مقام و نام ڈاکخانہ و ضلع خوشخط لکھو ورنہ تعمیل نہ ہوگی

چند معزز اور قابل قدر و لائق اطمینان شہادتیں

(۱) عالیجناب ڈاکٹر ای۔ روائی روڈ صاحب بہادر آر۔ ڈی۔ ایم۔ پی۔ لنڈن۔

(۲) جناب ڈاکٹر ایچ۔ پی۔ بنرجی صاحب ایل۔ ایم۔ ایس۔ و سرجن کلکتہ۔

(۳) جناب ڈاکٹر پی۔ این۔ بنرجی صاحب ایل۔ ایم۔ ایس۔ اسسٹنٹ سرجن سرہند۔

(۴) جناب ڈاکٹر اللہ یار خان صاحب ایس۔ اے۔ سی ہاسپٹل اسسٹنٹ ضلع بجنور۔

(۵) جناب ڈاکٹر عبد الصمد صاحب ہاسپٹل اسسٹنٹ ضلع گونڈہ

(۶) عالیجناب شمس العلما خان بہادر جناب مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب پروفیسر سابق میور کالج الہ آباد۔

(۷) جناب مولوی فصیح الدین احمد صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر اسسٹنٹ مہتمم بندوبست کانپور

(۸) میر حمزہ حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جج بہادر مقام منگلور۔

(۹) عالیجناب مولوی سید حسین صاحب مصنف وعظ اول ضلع ہمیرپور۔

(۱۰) عالیجناب منشی محمد حنیف لال صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر ضلع بستی

(۱۱) عالیجناب مسٹر بن بہاری صاحب مکرجی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اسسٹنٹ جج بہادر۔ گونڈہ۔

(۱۲) عالیجناب مسٹر ایل۔ ڈی۔ دبے صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل جج خفیفہ بہادر مقام منٹگمری

(۱۳) عالیجناب مسٹر رفیع الدین احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ مجسٹریٹ بہادر مقام منٹگمری

(۱۴) عالیجناب مسٹر جی۔ ٹی۔ وار بی صاحب بہادر کورٹ نارتھ ویسٹ ریلوے کانپور

(۱۵) عالیجناب جی۔ بی۔ کرسٹی صاحب بہادر انجینیر ریلوے